سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۳۴

مؤلفہ

میر حسن دہلوی مصنف مثنوی "بدر منیر"

بہ تصحیح و تنقید

جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی

باہتمام

محمد مقتدی خان شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء

فہرستِ مطبوعاتِ انجمن ترقی اُردو

فلسفۂ تعلیم ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف در مسئلہ تعلیم کی آخری کتاب ہی غور و فکر کا بہترین کارنامہ اور والدین و معلم کے لئے چراغِ ہدایت ہی تربیت کے زبانی قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہی کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہی اس کا نہ پڑھنا گناہ ہی۔ قیمت ے،

القول الاظہر - ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف الفوز الاصغر کا اُردو ترجمہ ہی ابن مسکویہ آسمانِ علم و فضل کا آفتاب تھا یہ کتاب فلسفۂ نفس کے اصول پر لکھی گئی ہی اور مذہب اسلام پر انھیں اصول کو منطبق کیا گیا ہی اس کو بمبئی یونیورسٹی نے سرکاری کتب خانوں کے لئے تجویز کیا ہی قیمت عہ،

نپولین اعظم - ایبٹ کی مستند کتاب کا اُردو ترجمہ ہی کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ نپولین کی زندگی بشری جد و جہد کا آخری باب ہی واقعات کی داد یا تو سکندر کی زبان ادا کر سکتی ہی یا تیمور کی زبان، ترجمہ آسان اور عام فہم مکمل پانچ جلدوں میں قیمت ۵ ع

رہنمایانِ ہند - مشہور کتاب پروفٹس آف انڈیا کا ترجمہ ہی شروع میں ہندو مذہب کے برگزیدہ عقائد کا بیان فاضلانہ مگر دلکش پیرایہ میں لکھا ہی اس کے بعد سری کرشن جی مہاراج کی سوانح عمری اور گوتم بدھ کے پُر اثر حالات آئے ہیں آخری حصہ میں شنکر اچاریہ رامانج اور راما نند کا ذکر ہی قیمت ۸ عصر

اُمرائے ہنود - پانسو سے زیادہ ہندو اُمرا کے حالات قلم بند ہیں۔ یہ اُمرا سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے کتاب گویا ان متعصب اور ناواقف مورخوں کا جواب ہی جو اسلامی حکومت پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں۔ قیمت حصہ اول عہ، حصہ دوم ۸ عہ

تذکرۂ شعرائے اردو

مؤلفہ

میر حسن دہلوی

مع مقدمہ نوشتۂ

مولوی محمد حبیب الرحمن خاں شروانی

مقدمہ

تذکرہ شعرا مولفہ میر حسن دہلوی

"بدرِ منیر" نے میر حسن دہلوی کے نام کو آسمانِ شہرت پر مہرِ منیر بنا کر روشن کیا۔ روشنیِ طبع نے میر صاحب کو یہ مضمون پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ مثنوی مذکور کی نسبت کہتے ہیں ؎

رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام

کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام

"مثنوی میر حسن" کو جو قبولِ عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ جو پڑھ سکتے تھے انھوں نے پڑھی۔ جو پڑھ نہیں سکتے تھے انھوں نے پڑھوا کر سنی۔ جاہلوں کا بھی یہ عالم رہا کہ جو دو چار شعر یاد تھے ان کو پڑھتے تھے اور مزے لیتے تھے۔ چاندنی رات میں ماہِ کامل کی روشنی بہت سے ستاروں کو نگاہ سے روپوش کر دیتی ہے یہی حال "بدرِ منیر" کی آب و تاب کے سامنے میر حسن کے باقی کلام کا ہوا۔ آبحیات میں آزاد نے لکھا ہے۔ دیوان اب نہیں ملتا۔ "تذکرہ" بھی طاقِ نسیان کی نذر ہو چکا تھا۔ بالآخر وقت آیا کہ کلامِ حسن کا حسن سادہ رونمائے عام ہوا اہلِ ادب کو مژدہ کہ "انجمن ترقیِ اردو" کلیات اور تذکرہ دونوں کی اشاعت پر آمادہ ہے۔ اوّل تذکرے کی یاد ہوتی ہے۔

تذکرہ شعرا یہ تذکرہ میر حسن نے اس زمانہ میں لکھا ہے جب کہ دلّی کو خیرباد کہکر فیض آباد میں

پاکیزہ مذاق استاد کا قلم نکتہ سنجی کے ساتھ انصاف کی داد دے رہا ہے۔ اس لیے اہلِ کمال کے خط و خال اس آئینہ میں ہو بہو ہویدا ہیں۔

اگرچہ عبارت کا معتد بہ حصہ رنگ آمیزی کی نذر ہو جاتا ہے تاہم معاصرانہ قیمتی معلومات مہیا ہو جاتی ہیں جن سے شاعر کے اندازِ کلام، طرزِ زندگی اور صورت شکل پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے۔ مثلاً میر تقی کے حسب ذیل ضروری حالات زیر نظر آجاتے ہیں۔ اُن کا خانِ آرزو کا بھتیجا اور شاگرد ہونا۔ وطن اکبر آباد۔ اس تذکرہ کی تحریر کے وقت میر تقی بہ سن ساٹھ برس کا تھا اور دلی میں مقیم تھے۔ جوان ... شاعر تھے۔ میر تقی کا تذکرہ "متقدمین و معاصرین" یادگار زمانہ تھا۔ رباعی، غزل، قصیدہ، ہجو، مدح سب پر قدرت ہے۔ گرم بازاری کمالِ غزل کی وجہ سے تھی جس کی شان یہ تھی کہ "بسیار با انداز حرف زدہ و می تراود"۔ میر صاحب کا صاحب دماغ ہونا "بسیار صاحب دماغ ہست و دماغ او می زیبد" عبارت آرائی میں یہ فقرہ بھی ہے "دو شعرش چون آفتاب و ماہ تخلص ... ب"۔ سودا۔ حالات و صفات۔ مولد شاہجہاں آباد۔ تحریر تذکرہ کے وقت سن ۶۰ ... ستر برس کا تھا۔ نوکری پیشہ۔ سرکار نواب شجاع الدولہ میں سلسلہ شاعری سرفراز تھے۔ علم موسیقی میں مہارت تھی۔ میر حسن اکثر اُن کی خدمت میں جاتے تھے ... وہ بہت کرم فرماتے تھے۔ خوش خلق، نیک خو، یار باش تھے۔ شاعری کی زندگی اُن کی ذات سے وابستہ تھی۔ طرز سخن "میدان بیان او وسیع۔ طرز معانی او بدیع ... در قصیدہ و ہجو ید بیضا دارد۔ قصائدش عذب دلاویز و بیان ہجو بلند۔ مثنویش طرب انگیز"۔

سوز۔ حالات و صفات۔ سید ضیاء الدین بخاری کے بیٹے۔ قطب عالم گجراتی کے خاندان سے نسبت۔ درویش منش۔ خوش نویس۔ دانشمند۔ فطرت نہایت بلند۔ علوم تیراندازی میں ایک رسالہ زور دار لکھا تھا۔ رنگ زمانہ سے بددل ہو کر گوشہ نشین تھے۔ اشعار اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ بیان میں نہیں آ سکتے۔ طرز سخن "در عہد خود از جملہ استادان ممتاز۔ طرز ادائیش مالک اوست"

جرأت - حالات و صفات - وطن اصلی شاہجہاں آباد - مقام نشو و نما فیض آباد - میاں حسرت کے شاگرد - جوانِ چیچک رو - خوش خلق - نیک - در سنِ نوجوانی بسیار بحلم و حیا بسر می برد - فنِ موسیقی اور ستار نوازی میں ایک حد تک قدرت - طبیعت بہت دردمند اور گداز - شوق شعر حد جنوں تک پہنچا ہوا - کہ کسی وقت فکرِ سخن سے خالی نہیں - طرزِ سخن و کلام نمکیں - زبانش شیریں - گلزارِ معانیش چوں بوئے آرزو شگفتہ - نورستانی - اس تذکرہ کا نام مؤلف نے نہیں لکھا -

مؤلف تذکرہ کے حالات | مسلمانوں کے عہدِ حکومت نے جن شہروں کو نازو نعمت کا مخزن اور علم و کمال کا معدن بنایا تھا، اُن میں خراسان کا دارالسلطنت ہرات بھی تھا۔ یہی مردم خیز شہر میر حسن کے خاندان کا بھی وطن تھا۔ میر امامی وہاں سے ہندوستان میں آئے جو میر حسن کے پردادا سے بھی بہت قدیم تھے اور فاضل متبحر بلحاظ علم و فضل دلی میں آکر ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ یہ لکھ کر میر حسن کہتے ہیں کہ میری شاعری آبائی ہے نہ آج کی۔ ہرچند کہ میر انیس نے اپنے لیے پانچویں پشت مداحی کا دعویٰ کیا ہے ع

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

مگر میر حسن کی شہادت کی بنیاد پر چھٹی پشت تھی۔ میر نفیس نے کس نفاست سے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے ع

شمشیر فصاحت پہ ہے یہ ساتواں صیقل

سات پشتیں ملاحظہ ہوں۔

۱ - میر امامی
۲ - خواجہ عزیز اللہ
۳ - میر ضاحک
۴ - میر حسن
۵ - میر خلیق
۶ - میر انیس
۷ - میر نفیس

امدم برسر مطلب - میر حسن کا نام غلام حسن تھا۔ اُن کے والد میر غلام حسین ضاحک نے دلّی میں نشو و نما پایا۔ آخر زمانہ میں فیض آباد میں جاکر سکونت اختیار کی۔ تحریر تذکرہ کے وقت زندہ تھے اور تیس برس سے ترک روزگار کرکے آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ عالم فاضل تھے ناظم و ناثر ہزل دوست مزاح پسند غزل چالیس پچاس شعر سے کم نہ ہوتی تھی۔ فن موسیقی میں بھی دخل تھا۔ قد میانہ۔ رنگ بھورا۔ داڑھی اوسط۔ ریش بچہ منڈا ہوا۔ سبز عمامہ بطرز عرب باندھتے تھے۔ بڑا سا جبہ پہنتے تھے۔ فارسی اور ریختہ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے قصائد فارسی کی تعریف تذکرۂ شعرائے ہند کے مؤلف نے کی ہے متین کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

در پیش اگر روز اجل آہ نہ ہوتا ۔۔۔ قصہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہ ہوتا
اس آن تھے آنسو بھی آن کہ دل ڈوب گیا ۔۔۔ تب جان سی ہم اُٹھے جب دیدہ نم سے

رباعی در منقبت

کشافِ حقایق و نکاتِ توحید ۔۔۔ آن راکب دوش احمدی شاہ شہید
خود معنیِ آیاتِ کلامِ الٰہی ست ۔۔۔ تفسیر حسینی ست القرآن مجید

تذکرۂ میر حسن میں یہ رباعی اُن کے نام سے درج ہے۔ حالانکہ وہ مولانا لطف اللہ شیرازی کی مشہور رباعی ہے اور فارسی تذکروں میں اُن کے نام سے درج ہے۔

رباعی

افسوس دلا کہ غمگساران رفتند ۔۔۔ ہمہ بدنام و گلعذاران رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار ۔۔۔ در خاک چو قطرہائے باران رفتند

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم پائی۔ عربی سے واقف نہ تھے۔ ابتدا سے شعر و سخن اس سلسلے میں حضرت خواجہ میر درد کی خدمت میں رہکر پختگی حاصل کی۔ میر ضیا کے شاگرد تھے مگر خود لکھتے ہیں کہ مجھ سے اُن کی طرز کا نباہ نہ ہو سکا۔ اس لئے میر درد کی طرز کی پیروی کی تلمذ کی بابت آبحیات میں لکھا ہے "میرزا رفیع کو بھی غزل دکھائی" میر حسن کے بیان سے

اُس کی تائید نہیں ہوتی۔ وہ اپنا تلمذ حضرت میر ضیا سے ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ میں اُن کی طرز نباہ نہ سکا۔ اس لئے میر، درد اور سودا کی طرز کی پیروی کی یہاں بھی سودا کی تخصیص نہیں۔ آزاد نے جو خط میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام نقل کیا، اُس میں بھی یہی لکھا ہے "اصلاح سخن از میر ضیا گرفتہ ام" سودا کا نام نہیں۔ آغاز شباب میں دلی کی تباہی سے پریشان ہو کر اپنے والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ وہاں سے بالآخر لکھنؤ جا کر بود و باش اختیار کر لی۔ اس سفر میں دلی سے چل کر اوّل چند مہینے ڈیگ میں رہے وہاں سے حضرت شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مکن پور گئے۔ اسی منزل کی کیفیت سے مثنوی گلزار ارم کی بہاریں دکھائیں۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں نواب سالار جنگ اور ان کے بیٹے مرزا نوازش علی خاں کی مصاحبت میں رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گزر میاں بھی تنگی سے ہوتی رہی۔ خود کہتے ہیں "ہیچ پیشہ تا حال بہر نوع گزران مینمایم"

حُلیہ۔ داڑھی منڈی ہوئی، رنگ بھورا، قد اچھا بڑا (میر نفیس تک بہ قد و قامت قائم تھا)، پرانی وضع کی پگڑی سر پر، اب سر سے پگڑی ہی ندارد ہے، پرانی وضع کو ان سمجھے کہ اپنے والد کی طرح بڑا سا جبہ پہنتے تھے۔ یہ حلیہ "تذکرہ شعرائے ہند" میں لکھا ہے۔ آب حیات میں اس کے خلاف یوں لکھا ہے "میانہ قد، خوش اندام، گورا رنگ، جامہ زیب، شرافت آئین، خاندان میں اپنے والد کے پابند تھے اس واسطے داڑھی منڈاتے تھے۔ سر پر بانکی ٹوپی، تن میں تنزیب کا انگرکھا، پھنسی ہوئی آستینیں، کمر سے دوپٹہ بندھا" اہل نظر فیصلہ کریں کہ کون سا بیان قابل قبول ہے۔ "تذکرہ شعرائے ہند" کی قدامت اور تحقیقات کے موقع کا زیادہ حاصل ہونا غالباً تذکرہ شعرائے ہند کو زیادہ مستند قرار دے۔

میر حسن کے اخلاق کی بابت "تذکرہ شعرائے ہند" میں لکھا ہے۔ "وہ ظریف اور خوش خلق آدمی تھا۔ مگر بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ سوا ازیں شیریں مزاج خوش خلق پسندیدہ تعلیم یافتہ تھا۔ کسی شخص نے اس کو برا نہیں کہا۔ اور نہ کچھ الزام لگایا ہے۔"

آخر ماہ ذی الحجہ میں علیل ہوئے۔ عشرہ محرم ١٢٠١ھ میں انتقال کیا (یعنی مثنوی "سحرالبیان" کے ختم ہونے کے دو سال بعد) مرزا قاسم علی خاں کے باغچہ کی پشت پر مدفون ہوئے۔ مصحفی نے تاریخ وفات کہی۔

چو میر حسن آں بلبل خوش داستاں — رو ازیں گلزار رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود گفتش مصحفی — شاعر شیریں زباں تاریخ یافت

پانچ بیٹے تھے۔ ان میں سے تین محسن، خلیق اور خُلق شاعر ہوئے۔ شاید ہی اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملے کہ شاعری ایک خاندان میں آٹھ پشت تک مسلسل رہی ہو۔ یہ طرۂ امتیاز میر حسن کے خاندان کی دستار پر کھلا کبھی علیم سات آٹھ پشت تک شاذ و نادر چلے ہیں۔ چہ جائیکہ شاعری جو وہبی ہے۔ پھر قدرت نے کس فراوانی سے یہ نعمت اس خاندان کو بخشی کہ میر حسن کے تین صاحبزادے شاعر ہوئے۔ اور تین پوتے میر انیس۔ مونس۔ اُنس ایک میر انیس تنہا ایک ملک کے فخر کے لیے کافی ہیں۔

میر حسن کا کلام میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں اب تک فقیر نے قریب سات آٹھ ہزار کے شعر کہے ہیں۔ ایک ترکیب بند کہا ہے اور ایک مثنوی "رموز العارفین" جو قبول خاطر و شہرت عام حاصل کر چکی ہے۔

آبحیات میں آزاد لکھتے ہیں "دیوان اب نہیں ملتا" اسی کے ساتھ قدرت اللہ خاں قاسم کا یہ قول دیوان کی نسبت نقل کیا ہے "انواع سخن سے بھرا ہوا ہے" ایک اور موقع پر لکھتے ہیں "آج یہ نوبت ہے کہ پانچ غزلیں بھی پوری نہ ملیں جو کتاب میں درج کرتا" مثنوی گلزار ارم کی نسبت لکھتے ہیں۔ میں نے یہ مثنوی دلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی۔ تذکرۂ آبحیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "آزاد" کو مثنوی رموز العارفین کی خبر نہ تھی۔ تذکرۂ شعرائے ہند میں منشی کریم الدین نے میر حسن کی تصانیف کی بابت عجب خلط مبحث کر دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں "حسن مذکور کی تصنیفات یہ ہیں۔ ایک دیوان اقسام سخن کا جس میں تخمیناً آٹھ ہزار شعر ہیں۔ دوسرا تذکرہ

ہندی مصنفوں کا ریختہ میں لکھا ہے۔ تیسری مثنوی بدر منیر۔ اس مثنوی کی برابر کسی سے آج تک اچھی مثنوی نہیں ہوئی۔ چوتھی سحر البیان۔ یہ سب سے بڑی کتاب میر حسن کی ہے۔ اس میں عورتوں کی پوشاکِ عجیبہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور طوایف کا بھی اُس میں ذکر ہے اور مسلمانوں کی رسماتِ شادی کا بھی حال اُس میں مندرج ہے۔" ظاہر ہے کہ "سحر البیان" مثنوی بدر منیر کا نام ہے چنانچہ میر حسن نے مثنوی مذکور کے خاتمہ میں لکھا ہے۔ ع

نئی مثنوی ہے یہ سحر البیاں

منشی صاحب جس مثنوی کو سحر البیان کہتے ہیں وہ گلزارِ ارم ہے۔ لیکن وہ مثنوی بدر منیر سے بڑی نہیں۔ "تذکرہ" ریختہ میں نہیں لکھا بلکہ فارسی میں لکھا ہے۔ رموز العارفین کا پتہ منشی کریم الدین کو بھی نہیں لگا۔ اور چونکہ اُن کا تذکرہ ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہے اس لیے ماننا چاہیے کہ ڈی ٹاسی بھی اس سے بے خبر تھا۔ تذکرہ بھی دیکھا نہیں۔ سماعی خبر لکھدی ورنہ اُس کی زبان کی بابت ایسی فاحش غلطی نہ ہوتی۔ یہاں ایک دقت اور ہے۔ آزاد نے آبحیات میں جو خطِ خود میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام کا نقل کیا ہے اُس میں یہ عبارت ہے۔ "تذکرہ در ریختہ ہم نوشتہ" اس عبارت کے معنی خلافِ ظاہر یہ لینے ہوں گے "در بیانِ شعرائے ریختہ نوشتہ" ورنہ یہ تو بعید از قیاس ہے کہ شعرائے ریختہ کے دو تذکرے میر حسن نے لکھے ہوں۔ ایک زبانِ ریختہ میں دوسرا فارسی میں۔ غالباً اسی خط کی عبارت سے منشی کریم الدین کو لغزش ہوئی۔

خدا کا شکر ہے کہ جو نعمت مؤلف آبحیات کے لئے پردۂ ظلمات میں رہی وہ مجھکو مل گئی۔ لکھنؤ سے کلیاتِ میر حسن کا نسخہ ہاتھ آیا۔ جو ۱۲۲۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ مطلا اور مذہب ہے اور اُس اہتمام سے لکھا گیا ہے جس اہتمام سے فارسی شعرائے دواوین لکھے جاتے تھے۔ نعمت بالائے نعمت یہ ہے کہ صحیح ہے۔ قدرت اللہ خاں قاسم کا قول بھی اُس پر صادق ہے۔ انواعِ سخن سے لبریز ہے۔ ۵۰۰ صفحہ کا حجم ہے۔ تقریباً سات ہزار شعر ہیں۔ غزل کے اشعار قریباً

چار ہزار ہیں۔ چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں سات قصیدے ہیں۔ مخمس، مسدس، مثلث، رباعی بھی ہیں۔ وہ ترکیب بند بھی (واسوخت کے نام سے) موجود ہی جس کا ذکر تذکرہ میں میر حسن نے کیا ہی۔ مرثیے نہیں ہیں۔ حالاں کہ میر حسن نے مرثیوں کا لکھنا تذکرہ میں لکھا ہی۔ اس مجموعے کی دستیابی سے آزاد کا وہ تاسف آمیز شکوہ رفع ہو جاتا ہی جو ان کو اخلاف میر حسن سے کلیات مرتب نہ کرنے کی بابت تھا۔

جوشِ عقیدت | سب سے اوّل شاہ عالم بادشاہ کا ذکر لکھا ہی۔ اس ادب کے ساتھ ذکر اوّل بادشاہ جمجاہ سکندر سپاہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ ... ... خلد اللہ ملکہ و افاض اللہ برہ و احسانہ " اس ذکر کے بعد تذکرہ شروع ہوتا ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ہر چند کہ اُس عہد میں سلاطینِ مغلیہ کے ہاتھ سے سلطنت ظاہری جا چکی تھی مگر دلوں پر حکومت قایم تھی۔

ادبی نکتے | جس طرح میر صاحب نے "نکات الشعرا" کو ضمناً جا بجا ادبی نکتے اور فائدے بیان کرکے زینت دی ہو اسی طرح میر حسن نے اپنے تذکرہ کو آراستہ کیا ہی۔ ریختہ کی تعریف "ریختہ اوّل از زبان دکن رواج یافتہ" اس لحاظ سے یہ گرانبہا جنس شاہجہانی اُردو بازار کی دُکانوں کی ملکیت نہ تھی (میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں اس زبان کا نام یا ہندی لکھا ہی یا ریختہ۔ اُردو جہاں تک میرا خیال ہی کہیں نہیں لکھا۔ منشی کریم الدین نے اُردو کے ساتھ ہندوستانی بھی لکھا ہی) طرز متقدمین و متاخرین کا فرق۔ "طرزِ متقدمین بطور ایہام۔ طرزِ متاخرین بزبانِ حال ادائیہ" میر تقی نے خاکسار کے اس شعر میں ؎

خاکسار اُس کی تو آنکھوں سے گئے مت لگیو
مجھکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

یہ اصلاح دی تھی "بر متتبع ایں فن پوشیدہ نیست، کہ بجائے 'بیمار کیا'، 'گرفتار کیا'، می بایست"

میر حسن کہتے ہیں "در عقلِ فقیر چنیں گزرد کہ اگر چشم خود می بود گرفتار مناسب بود چوں اینجا چشم معشوق ست بیماری صحت دارد" دیکھو کیسی بات سمجھا گئے۔ راقم کا ایک شعر نقل کیا ہے:

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

لکھتے ہیں کہ اس شعر میں "عین" (عاشقوں کا) تقطیع سے گرتا ہے اور یہ عینِ خطا ہے مصرع یوں ہوتا تو بہتر تھا ع

میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں

معین بدایونی کا ایک شعر ہے

خوش ہم عریانی سے اتنے ہیں برنگِ بوئے گل
نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں پوشاک سے ہم

میر حسن کہتے ہیں "خوش ہم عریانی ناموزون ست چرا کہ "میم" با "را" چناں چسپیدہ است کہ "عین" چوں چشم غزال ازمیاں رم کردہ۔ وایں سخت عیب ست"
سجاد کا شعر ہے

تجھے غیر سے صحبت اب آہی
اسی دوستی ہم سے ہی دشمنی

میر حسن کہتے ہیں۔ اسی دوستی "زبان قدیم ست یعنی برائے ہمیں" فی البدیہہ۔ راجہ رام نراین موزوں تخلص۔ نواب سراج الدولہ کی طرف سے عظیم آباد کے صوبہ دار تھے۔ شیخ علی حزیں کے شاگرد "آشنا پرست سیاہ دوست۔ فارسی کا ذوق تھا۔ ریختہ کا صرف ایک شعر کہا جو مشہور ہو گیا۔ اس کا واقعہ خود میر حسن کے الفاظ میں سنو "شعر ریختہ کم گفتہ بلکہ نگفتہ۔ مگر وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتاد ہماں وقت فی البدیہہ ایں شعر میخواند و از جہہ دارا ز اخبر می پرسید و می گریست ہے

غزالاں۔ تم تو واقف ہو۔ کہو مجنوں کے مرنے کی۔ دوانہ مر گیا آخر کو۔ ویرانہ پہ کیا گزری؟

"ہمیں شعر از ویادگار ماند" ذرا اس شعر کو مکرر پڑھو اور اس کے درد کا اندازہ کرو اور یہ بھی غور کرو کہ ایک "آشنا پرست" ماتحت کے دل کی واردات کا سچا نقشہ ہے۔ کیا اس کے بعد مجھکو یہ کہنے کی اجازت ملے گی کہ تاریخ کے سیاہ کار بلیک ہول کے اندر میراج الدولہ! تیرے دل میں تو محبت و ہمدردی کا چراغ روشن نظر آتا ہے! ان کے استاد میر ضیا نے اپنے یہ شعر ان کو سنائے تھے ؎

تربت ضیا کی دیکھی کل رات دور سے میں — آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
جاکر جو آج دن کو دیکھا ہیں کر تفحص — اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

سلام اللہ خاں تسلیم ایک فارسی گو شاعر نے ترجمہ کرکے یہی مضمون اپنے نام مشہور کر دیا ؎

دوشش رفتم بر مزار کشتۂ تسلیم خویش — مے نمود از دور صد شمع و چراغ حسرتے
چوں شدم نزدیک دیدم از تفحصہا بسے — یک دلے میسوخت باوے چند داغ حسرتے

میر حسن خفا ہیں (اور خفگی بجا ہے) "تسلیم در فارسی ترجمہ کردہ بنام خود شہرت داد۔ ایں ندانست کہ در نظر صورت شناسان معانی متبنی و فرزند پوشیدہ نمی ماند۔ مثل ہندی مشہور ہے "لڑکی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہے اس کا ناؤں" پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تسلیم کے شعر زبان فارسی کی قوت، وصفائی کی بدولت ضیا کے اشعار سے زیادہ تابدار ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ ضیا کی زبان بوجہ قدامت ماند پڑ چکی ہے۔ مصرع اوّل میں "کشتۂ تسلیم" نے جان ڈالدی ہے۔

میر حسن صرف ادب اردو کے نقاد نہیں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شعرا کے کلام کی نقادی پر بھی پوری قوت تھی۔ اور ہر ایک کے طرز کا جدا جدا اندازہ حاصل تھا۔ چنانچہ اساتذۂ اردو کے کلام کی طرز کو اساتذۂ فارسی کی طرز سے تشبیہ دیتے جاتے ہیں۔ میر ضیا "طرزش مانا بہ طرز مولانا نسبتی" میر تقی "طرزش مانا بطرز شفائی" خواجہ میر درد۔ "دیوانش

اگرچہ مختصر ست لیکن چوں کلام حافظ سراپا انتخاب ہے"۔ میر درد کا ایک شعر سن لو۔ حافظ کے بہت سے شعر یاد آجائیں گے ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہی چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

قائم چاند پوری"۔ طرزش بہ طرز طالب آملی می ماند"۔ زبان کی ٹکسال دلی تھی۔ قائم تذکورکے حال میں متوطن چاند پور ندینہ۔ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہاں آباد آمدہ بسر بُرد بنا برآں محاورہ او درست گشت"۔ معین بداؤنی کا ایک مصرع ہی۔ ع

نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس

میر صاحب لکھتے ہیں "ایں محاورہ درست نیست۔ مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند۔ دوپہری مگر مردم بیرو نجات"۔ ایک شعر میں شاعر موصوف نے "بُتِ تانگی" باندھا ہی۔ میر حسن کہتے ہیں "بُتِ تانگی نامانوس ست۔ فقیر در ہیچ جا نشنیدہ"۔

سرمایۂ مشترک یہ زمانہ صنعت وحرفت کی ترقی کا ہی۔ گوناگوں مصنوعات سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں کے در و دیوار معمور ہیں۔ اسی سلسلے میں بہت سے مصنوعی مسائل کا انبار ہے جو ہماری زندگی پر مؤثر ہیں۔ انھیں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ملکی زبان کا ہے۔ ایک زبان صرف مسلمانوں کی ہی اس کا نام اُردو ہی۔ دوسری ہندؤں کی ہی اُس کو ہندی کہتے ہیں۔ ہندوستان کے چاروں گوشوں کو دیکھا۔ شہر۔ دہات۔ پہاڑ اور جنگل دیکھے مگر زبان کی یہ تقسیم کہیں عمل پزیر نہ دیکھی۔ تذکرۂ میر تقی میر اور تذکرۂ میر حسن کے مطالعہ سے صاف واضح ہی کہ ریختہ کہو اُردو کہو ہندی کہو جو نام چاہو رکھو مگر واقعہ یہ ہی کہ ہندوستان کی عام رائج زبان ہندو اور مسلمان اہل ادب کی محنتِ مشترکہ کا ثمرہ ہے۔ ابتدائے شاعری سے لے کر انتہا تک یہ اشتراکِ محنت عیاں ہی۔ نکات الشعرا میں جہاں متقدمین شعرا میں خانِ آرزو اور بقا اللہ خاں اُمیدہیں وہاں رائے انند رام مخلص اور

ٹیک چند بہارؔ بھی ہیں۔ متوسطین میں بندرابن راقمؔ ہیں۔ میر حسن کے تذکرہ میں بھی بہت ہندو شعرا کا ذکر ہے۔ جن میں سے بعض ملّت اُستاد تھے۔ مثلاً رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص۔ اُن کی نسبت لکھا ہے "شاعر زبردست فارسی ست۔ شعر ریختہ ہم بسیار گفتہ است۔ اُستادِ ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیرانؔ و اکثر دیگراں شاگردِ اویند۔ درآنجا مشہور و معروف است"۔ حسرت مذکور اساتذۂ لکھنؤ میں سے ہیں۔ جرأت کے اُستاد شاگردوں کی یہ کثرت تھی کہ پہچان نہیں سکتے تھے۔ ایک اور معتبر شہادت۔ منشی کریم الدین نے تذکرۂ شعرائے ہند میں (جو ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہے) طبقہ دوم۔ اُن شعرا کے ذکر میں لکھا ہے جو مصلحِ اُردو اور مروّج اس زبان کے تھے۔ اور اُنھوں نے الفاظِ کریہہ کا استعمال یک قلم زبانِ ریختہ سے موقوف کر دیا۔ اس طبقے میں سب سے اوّل راجہ جسونت سنگھ متخلص بہ پروانہ کا ذکر ہے۔ یہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے نائب راجہ بینی بہادر کے بیٹے اور رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ جرأت کی وفات کی تاریخ کیا خوب کہی ہے۔

"کو جنّت نصیب جرأت ہے"
۱۲۲۴ھ

پروانہ کے دیوان کی بابتہ یہ رائے ظاہر کی ہے "دیوان اس شاعر کا دیکھنے میں آیا۔ بہت اچھا۔ پاکیزہ اشعار اُس کے ہیں۔۔۔" سپر نگر بہادر کے پاس وہ دیوان موجود تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں حسب ذیل ہندو شعرا کا ذکر لکھا ہے۔ رائے [1] پریم ناتھ۔ [2] ٹیک چند بہار۔ [3] سنتوکھ رائے بیتوا۔ [4] ...یا ناتھ سنگھ۔ [5] لالہ سرب سنگھ دیوانہ [6] گھاسی رام خوشدل۔ [7] بندرابن راقم۔ [8] لالہ ہُلاس رائے رنگیں۔ [9] لالہ خوشوقت رائے شاداب۔ [10] رائے بھکاری داس عزیز۔ [11] فائق۔ [12] بدھ سنگھ قلندر۔ [13] لالہ کاشی ناتھ۔ [14] انند رام مخلص۔ [15] راجہ رام نراین موزوں۔ [16] عجائب رام منشی۔ [17] لالہ نول رائے وفا۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مذکورہ بالا مصنوعی تفریق کو دیکھکر چارہ کار یہی ہے کہ ملک اور اہلِ ملک کے حال پہ افسوس کیا جائے۔

اس عہد کی معاشرت عموماً شعرا کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ ایک بیکار فرقہ ہے جو
خیالی دُنیا کی سیر میں مصروف ہے۔ کلام کی شوخی و رندی سے قیاس کیا جاتا ہے کہ قائل
اپنی حالت کا مرقع کھینچ رہا ہے۔ واقعات اس خیال کا ساتھ نہیں دیتے۔ طبقۂ شعرا میں کثیر
حصہ ایسے کاروباری آدمیوں کا تھا جن کا معیارِ اخلاق بلند تھا۔ اور جو شعرگوئی اور زندہ دلی
کا سامان اور ادب کی خدمت تصوّر کرتے تھے۔ انھیں کے ہاتھ اور کمالاتِ انسانی میں قدرت
وکمال پیدا کرتے رہتے تھے۔ ذیل کے شعرا کے اخلاق و مشاغل پر نظر ڈالیے۔ اُمید ہے کہ آپ بھی
میرے ہمنوا ہوں گے۔ میر اثر "خوش اوقات و نیک سیرت و درویشے ست موقر۔ وصاحب
سخنے ست موثر۔ عالم۔ فاضل" عاصمی "در علمِ تاریخ و شمشیر شناسی و لطیفہ گوئی دستے
ہم رسانده" رائے پریم ناتھ "خطاطِ بے نظیر کمال دارد دل پذیر۔ غزل فارسی خوب می گوید"
آگاہ "بوسیلۂ قصّہ خوانی بسر می برد۔ دریں فن شاگرد میر احمدؐ مرحوم ست کہ بقصہ خوانی
مشہور بود" میر اعلیٰ علی "خلیق و متواضع" میر شیر علی افسوس "داروغۂ توپ خانۂ عالیجاه
جوانے ست ظاہر و باطن آراستہ۔ بحلم و حیا پیراستہ" بیدار "بزیورِ حلم و حیا آراستہ" حشمت
"سپاہی پیشہ ... فہمیده و سنجیده۔ متواضع و مؤدب" رنگین "سپاہی پیشہ خوش اوقات
و نیک ذات۔ جوانِ محمد شاہی۔ خط نستعلیق خوب می نویسد" مہربان خاں رند (اُس عہد کے
اُمرا کا ایک نمونہ) نواب غالب جنگ بہادر والیِ فرخ آباد کے وزیر "مجلسے رنگین و بزمے
ارم تزئیں داشت" ہر صادر و وارد کی فراخ حوصلگی سے خدمت کرتے تھے۔ اہلِ سخن اور
ہر فن کے اہلِ کمال سے ربط تھا۔ موسیقی اور ہندی شاعری میں جو کبتوں سے عبارت ہے،
مذاق تھے۔ مرتبۂ امارت اتنا بلند تھا کہ خود امرا اُن کی صحبت میں تھے۔ میر اور سودا
کے شاگرد تھے۔ موسیقی میں بہت سے راگ تصنیف کیے تھے۔ فن تیر اندازی میں بھی میر سوز
کے شاگرد تھے اور اس فن میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ شمشیر شناسی۔ ادب شناسی اور
مردم شناسی بھی میر موصوف کی صحبت میں حاصل کی تھی۔ دیکھو ادب شناسی اور

انسان کی قدردانی بھی اُس زمانہ میں فن تھے جو اُستادوں سے حاصل کیے جاتے تھے۔ اس بیان سے خود میر سوزؔ کے کمالات کی نیرنگی معلوم ہوتی ہی۔ میر مظہر علی "پاکیزہ سرشت و نیک شعار۔ جوانےست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقوی پیراستہ" سجادؔ "موصوف باوصافِ حمیدہ۔ مخلوق باخلاقِ سنجیدہ۔۔۔ در لطیفہ گویاں۔۔۔ طاق۔ در ہر امور کہ دخل کردہ بکمال رسانیدہ۔ علم طب ہم حاصل نمودہ۔۔۔ طلسمات۔ و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی بمراتب اعلیٰ رسانیدہ" شوقؔ "مرد سپاہی پیشہ۔ صاحب دیوان۔ از شاگردانِ سراج الدین علی خاں آرزو۔ مدتے در سرکارِ نواب عماد الملک غازی الدین خاں کو سپہ گری بسر بُرد" شاعرؔ "جوانےست بکمالِ صلاحیت آراستہ و بہ علم و عمل پیراستہ۔ اہلِ دل۔ منصف۔ متواضع مودّب۔ بزرگ و بزرگ زادہ" نواب عماد الملک غازی الدین خاں را ایک اور امیر "برجمیع علوم قادر و در فنونِ سخن ماہر از وزرائے ہندوستان۔۔۔ بود۔۔ ہفت قلم و ہفت زبان" فغاںؔ "خانِ ظریف طبع۔ و خوش اختلاط۔ با ہر کس خوش طبعی داشت۔۔۔ لطائف و ظرائف او مشہور ست" گریاںؔ "جوانےست شائستہ۔۔۔ سپاہی پیشہ" وحشتؔ "سید زادہ خوش اوقات و نیک صفات۔ جد ان وضع دارد و رفنِ سپہ گری استوار" لالہ نور ائے وفاؔ "از تذکرہ محمد قائم چناں ظاہرست کہ جوانےست نوخاستہ۔ بزیورِ علم و عمل آراستہ۔۔۔ صاحبِ حلم و حیا۔ لطافتِ مزاج از گل زیادہ۔۔۔ برادرِ خوردِ شن راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود۔ لیکن ایں عزیز مصروفِ اکتساب و غریقِ مطالعہ کتاب۔ طلبِ ہر کمال دامن گیر حال۔ طبع در دمند داشت"

یہ نہ خیال کرنا کہ میر حسن صاحب کے یہاں حسنِ بیان حسن وظن کا دفتر کھلا ہوا ہی اور ہر شخص سندِ تعریف سے سرفراز ہوتا ہی۔ اصل یہ ہی کہ وہی لکھا ہی جو خود دیکھا یا دوستانِ حقیقت داں سے سُنا۔ چنانچہ دیباچہ میں لکھ دیا ہی "پس از دریافتِ حال خیر مآلِ صاحب سخن

شمہ کہ از دوستان حقیقت داں مسموع نمودہ در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت" ایسے شعرا بھی ہیں جن کی اخلاقی حالت معلوم نہ ہوئی اُن کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ مثلاً مصحفیؔ۔ اُن کے کلام کی فصاحت اور بلاغت کی تعریف کی ہے۔ مگر اخلاقی حالت چوں کہ معلوم نہ تھی اس لئے صرف اس قدر لکھا ہے "از تخلص معلوم می شود کہ مرد صالح ست"۔

مذکورۂ بالا اقتباس، اہلِ انصاف کو اس امر کا معترف کرنے میں کامیاب ہوگا کہ شعرائے ماضی نکوہیدہ حال نہ تھے۔ بلکہ علم و اخلاق سے آراستہ انسان تھے۔ کیا اس سوال کا موقع ہے کہ آج کل کے مدعیانِ کمال کہاں تک علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں؟

بزرگانِ دین کی توجہ ادبِ اُردو پر

عام خیال یہ ہے کہ بزرگانِ دین و علمائے اُردو ادب کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ اس خیال کو واقعات سے مطابق کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب نے شروع سے حضراتِ اولیائے کرام کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائی ہے۔ ریختہ کے اُستادِ اوّل (بقولِ میر حسن) ولیؔ دکنی ہیں۔ میر تقی میرؔ اور حسنؔ دونوں کی شہادت ہے کہ دلی میں آکر حضرت شاہ گلشن قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اور فیض حاصل کیا۔ ریختہ میں فارسی کے مضامین رنگین استعمال کرنے کا مشورہ حضرت ہی نے دیا۔ میر حسن کی اصل عبارت "ولیؔ۔۔۔ از خاکِ گجرات۔۔۔ در وقتِ عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ در خدمتِ شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمود۔ از توجہ آں بزرگوار مقبولِ اعلیٰ و ادنیٰ گردید"۔ اُردو شاعری کے تیسرے دَور کے ارکانِ چہارگانہ میں سے دو رُکن دو عالی مرتبہ بزرگ ہیں جن کی تعلیم سے ہزاروں انسان زندگی کے مقصد سے واقف اور شاہدِ مقصود کے حصول میں کامیاب ہوئے۔ یعنی حضرت خواجہ میر دردؔ اور حضرت میرزا مظہر جان جاناں قدس سرہما۔ یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ یہ شوق حضرات نقشبندیہ سلسلے میں اس طرح اردو ادب کا نقشِ اوّل و ثالث حضرات نقشبندیہ کی توجہ کا منت پذیر ہے۔ آزادؔ آبِ حیات میں لکھتے ہیں "اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے

یہی سُنا کہ مرزا جانِ جاناں۔ سودا۔ میر۔ خواجہ میر درد۔ یہ چار شخص تھے جنھوں نے زبانِ اُردو کو خراط اُتارا ہی۔" آخرالذکر دونوں حضرات نے گوناگوں اسلوبوں سے ادبِ اُردو کو ترقی بخشی۔ خود اُستادانہ کلام کہا۔ اپنے فیضِ اثر سے اُس کو مقبول بنایا شاگردوں کی تربیت کی۔ حضرت خواجہ میر درد کو دیکھو۔ خود قادر الکلام اُستاد ہیں۔ چھوٹے بھائی اثرؔ ہیں۔ صاحبزادہ الم۔ قایمؔ چاندپوری اور بہ کاری و اس عزیز زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔ میر حسن نے حضرت ہی کی خدمت میں ذوقِ سخن کی پختگی حاصل کی۔ حضرت میرزا صاحب خود اُستادِ فن۔ یقینؔ و حزیںؔ زمرۂ تلامذہ میں۔ ان حضرات کے علاوہ الہ آباد کے دائرے بھی اس ذوق سے پُرصدا تھے۔ حضرت شاہ اجمل سجادہ نشین حضرت شاہ خوب اللہ اور اُن کے برادر بزرگوار شاہ غلام قطب الدین مصیبتؔ بھی شاعرانِ اُردو میں شامل ہیں۔

ایک لطیف بحث میر تقی میر نے اپنے کلام کا انتخاب نکات الشعراء میں درج کیا۔ میر صاحب کا کلام۔ اُس پر اُن کا انتخاب۔ سونے میں سہاگہ۔ مگر آفریں میر حسن کے انتخاب کو کہ میرؔ کے کلام کا انتخاب خود میرؔ سے بہتر کیا۔ مشتے نمونہ از خروارے اشعار ذیل میر حسن کے انتخاب میں ہیں۔ میر صاحب کے انتخاب میں نہیں ؎

کہا میں نے کتنا ہی گُل کا ثبات	کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا	جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے	ہی خیر میر صاحب۔ کچھ تم نے خواب دیکھا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا	کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

ان اشعار کی بابت یہ کہا جاتا ہی کہ چوں کہ ان اشعار کے ہم طرح اشعار میرؔ کے تذکرہ میں نہیں ہیں اس لئے ممکن ہی کہ ترتیب تذکرہ کے بعد کہے ہوں اس لئے انتخاب میں نہ آئے ہوں۔ معرکہ یہ ہی کہ جن غزلوں کے اشعار منتخب کئے خود میر صاحب نے۔ دیکھے ہیں اُن ہی

غزلوں سے بعض ایسے نادر اشعار میرحسن نے انتخاب کرلئے ہیں جو خود میر کے انتخاب سے زیادہ نادر ہیں۔ اور یہ ایک انسانی کمزوری کا پہلو ہے کہ بعض اوقات خود اپنے کمال پر وہ قلم پھیر دیتا ہے۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ زلالی خوانساری کی معرکۃ الآرا مثنوی محمود ایاز کا مسودہ دیکھا گیا تو اُس میں بعض ایسے نادر اشعار زلالی نے کاٹ دیئے تھے جو فارسی ادب کے لئے مایۂ ناز ہیں۔ مثلاً۔ شب تاریک کی تشبیہ میں یہ بے نظیر شعر ہے

ستارہ می نمودے درمیانہ
چو چشم گریہ در تاریک خانہ

ایسے متعدد اشعار اہل نظر احباب نے مثنوی مذکور میں بعد کو اضافہ کر دیئے ہیں۔

خلاصۂ کلام۔ نمونۂ کلام مذکور ملاحظہ ہو۔ ایک غزل ہے دیدار دیکھنا۔ گلزار دیکھنا۔ اس غزل کے یہ اشعار میر نے انتخاب کئے ہیں

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا ۔ عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم دل اُس ظلم پیشہ سے ۔ ہشیار۔ زینہار۔ خبردار دیکھنا

میرحسن اسی غزل کے یہ شعر انتخاب کرتے ہیں

صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب۔ یہ گلزار دیکھنا

دوسری طرح۔ روتا رہیگا۔ سوتا رہیگا۔ اس غزل کے یہ شعر انتخاب میر میں ہیں

جو اس شور سے میر روتا رہیگا ۔ تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا
تو ایں گالیاں غیر کو شوق سے دو ۔ ہمیں کچھ کہیگا تو ہوتا رہیگا

میرحسن کے انتخاب میں یہ شعر ہے

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے ۔ جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

ایک تیسری طرح ہی - یار افسوس - ہزار افسوس - انتخاب تمبر ؎

مرگیا میں ملا نہ یار افسوس آہ افسوس صد ہزار افسوس

یوں گنواتا ہی دل کوئی مجھ کو گیے آتا ہے بار بار افسوس

انتخاب میر حسن ؎

رخصتِ سیرِ باغ ہمیں نہ ہوئی یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

ایک چوتھی طرح - وفائے بلبل - جائے بلبل - انتخاب میر ؎

گل کی جفا بھی دیکھی - دیکھی وفائے بلبل

یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

انتخاب میر حسن ؎

کی سیرِ جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں

توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

یہ شعر ایک دیوان پر بھاری ہی - میر صاحب کا اس کو منتخب نہ کرنا سراپا حیرت ہی -

میر حسن کے اس حسن انتخاب نے یقین ہی کہ طبائع کو اُن کے انتخاب کا مشتاق کر دیا ہو گا اس لئے دل چاہتا ہی کہ اور انتخاب بھی ناظرین مقدمہ کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں لکھ دوں -

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں زندہ و مُردہ دونوں کو غایتِ شفقت کے ساتھ دعائے خیر سے یاد کیا ہی - اور دیباچہ میں غرضِ تالیفِ تذکرہ بھی یہی لکھی ہی کہ اس کو پڑھکر شاید کوئی مجھ کو دعائے خیر سے یاد کرے - لہذا خاتمۂ مقدمہ پر دعا کرتا ہوں - ناظرین آمین کہیں -

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَتَجَاوَزْ عَنْ سَیِّاٰتِہٖ

انتخابِ اشعار

آبرو

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں / اس طرح حال دل کا کہتا ہوں
دل کب آوارگی کو بھولا ہے / خاک گر ہو گیا بگولہ ہے
شوق سے جس گھر میں ہو تو جلوہ گر / آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

اثر

بس رفع اب خیالِ مے و جام ہو گیا / ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا
دردِ دل چھوڑ جائیے سو کہاں / اپنے باہر تو یاں گزر ہی نہیں
کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے / اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں
اثر سمجھے کیا کدھر جائیے / مگر آپ ہی سے گزر جائیے
بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر / مجھکو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے / پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں
عاشقی اور عشق کی باتیں / سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

اسد

یوں ہی ات کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم / خانہ خراب - راہ میں پر پھر مچل گیا

آزاد

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں / یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو / دل کو اس وعدہ سے میں شاد کروں یا نہ کروں

عاصی

مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقشِ جہاں دیکھا / جہاں دیکھا ہر صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا

قیامت کی عقوبت ساری ہجر یار میں گزری — وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا

انشا

ہوئے ہیں خاک سر راہ اس کے ہم انشا — بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

افسوس

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی — دیکھیے آگے آگے کیا ہوگا

بیاں

اب ہجر میں کہتا ہے کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہی بیاں میں نے تو دیکھا تجھے تب بھی

پیو شراب جوانو کہ موسم گل ہے — ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں منہ سے بول لے — اے بے نصیب مانع گفتار کون ہے

ہووےگا ذوق حسرت دیدار میں خلل — شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

رباعی

سو طرح سے یہ عشق اٹھاتا ہے مجھے — ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہے مجھے

کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب — ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

رباعی

دنیا سے بیاں چلا ہوں رونے روتے — گزری شب عمر اپنی سوتے سوتے

ظلمات میں تھا آب بقا پر افسوس — روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

بیتاب

دل چھین لیا میرا بنارس کے بتوں نے — اس وقت میں تو اے مرے اللہ کہاں ہے

بسمل

ان کی مسند کی کیا کروں تقریر — نقش ہے روئے خاک پر تحریر

تاباں

عجب احوال ہے تاباں کا تیرے — کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

سید محمد تقی (عرف میر گھاسی)

توہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل
تری فریاد سے جیتا ہوں مرنا بلبل

جرأت

آنے کی خبر ہی اُس کے لیکن
آتا نہیں اعتبار دل کو

آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے عینِ ہجر ہی میں میسّر وصالِ دوست

بات یہ کس کی سُنوں آہ کہ اے مرغِ چمن
شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہو

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں

کچھ تو نکلے آرزو دشنام نے تلوار کھینچ
چشمِ حسرت سی کہاں تک دمبدم دیکھا کریں

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

حاتم

حاتمِ بیکس کا تجھ بن کون ہی
کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

سرتیں

ویراں ہوا ہی باغ خزاں سے یہاں تلک
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

حسن

تھی ہمیں سیر کو بھی دن اُسی میخانے کی
اب خبر ہی نہ صراحی کی نہ پیمانے کی

تیغ ابرو نے تو مارا ہی تھا جو زلف نہو
غیر زنجیر خبر کون لے دیوانے کی

اے حسن آپ کو سمجھیگا تو کیا بس چپ رہ
سِر حق ہی یہ نہیں بات تری پانے کی

حیراں

دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال
غمِ فراق سی کب کا ہوا ہشت نصیب

حسرت

کہی وہ اپنے منہ سی قتلِ حسرت کو کیا ہم نے
مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہی

قطعہ

تم جو کہتے ہو کہ رو حسرت کو — آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے — دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

مؤلفِ تذکرہ - میر حسن - متخلص بہ حسنؔ

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا — راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائیگا
تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہو — لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا
قیامت مجھ پہ شب اُس کا ترحم اور تظلم تھا — کبھی تھیں گالیاں مُنھ پر کبھی لب پر تبسم تھا
ایسی ہی آہ باتیں اُس بے وفا نے چھیڑیں — روتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا
اُس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا — جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا
چھوڑ دے کوئی کسی کے لئے جس طرح سے کچھ — ہم نے منت میں تری کون و مکان چھوڑ دیا
کرتے تو مجھکو قتل کیا ہے پر اب حسنؔ — کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا
جز اشکِ بلبل اب نہیں گل شاخسار پر — کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر
اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا — ہو چکی واں بہار رہی آخر
مردمِ چشم نے پلکوں کی چڑھا سنگینیں — ایک عالم کو نظر بند کیا پہرے میں
ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی — تمام عمر لگی پر ہم یہ سر نہ ہوئی
شبِ فراق میں رو رو کے مر گئے آخر — یہ رات جیسی تھی ویسی ہی سحر نہ ہوئی
جان و دل ہیں اداس سے میرے — اُٹھ گیا کون پاس سے میرے
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہم کو حسنؔ — اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے — دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی — پر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی
کچھ ہو نہ ہو ولے ہو تیرا خیال ہر دم — اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

رہی جس میں خطرہ سدا نیستی کا | بر اے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

رباعی

دنیا داری میں اور نہ دیں داری میں | چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
حیرت کدۂ دہر میں تصویر کی طرح | سویا کرتے ہیں عین بیداری میں
پہنچے نہ حسن منزلِ مقصود کو ہم۔ اور | آخر ہوئے سب زیست کے ایّام سفر میں

کرم اللہ خاں درد

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے | تو پوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہی نیم بسمل کر | اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
تحمل آتشِ غم میں دلِ بیتاب کیا جانے | ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب رہا ہی ہجر کا یارو | پلک لگنے کی لذت دیدۂ پرآب کیا جانے

حضرت خواجہ میر درد

خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے | آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
باری مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا | پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی | جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بت خانہ تھا | ہم سب ہی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا | خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ | وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
جان سے ہو گئے بدن خالی | جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری | آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی | ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا | برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس دل گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا

کسی سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کا
دل اس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کر و بیاں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں
موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
پر نہ آ جائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے دھونی
ہوا کیا دردؔ کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

رباعی

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی
ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم

رباعی

اے دردؔ یہ درد جی سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزارِ جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے جی کا شگفتہ ہونا معلوم

رباعی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی — اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو — کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

درخشاں

تھی درائے ناقۂ لیلیٰ کی ہر دم یہ صدا — آہ مجنوں پاشکستہ رہ گیا محمل سے دور

رسوا

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے — ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں اب مجھے
وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو — اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے
وہ کون سی زمین جو اشکوں سے نم نہیں — رسوا بھی اس زمانہ میں مجنوں سے کم نہیں
دیگرے را در گرفتاری شریکِ ما مکن — مدعا گر شہرتِ حسن است یک رسوا بس است

رند

سینے سے داغِ عشق مٹایا نہ جائیگا — ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

راقم

پہنچا نہ آہ درد کو میری کوئی طبیب — یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے
سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوامِ صبح — ہوگی کبھی نہ چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں تری گلشن سے کچھ غرض — ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب — آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں
کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے — اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

رضا

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے — بے رحم جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے

زار

چھوٹ جاویں غم سی ہر دم کے جو نکلے دم کہیں — خاک ہی یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں
ایک دن آ گئے ہی دنیا سی اٹھانا ہم کو — شب فرقت تو آئی نہ دکھاتا ہم کو
ہمیں تو فرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہی — گلی میں اس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے

سراج

نہیں ہی تاب مجھی تیرے سامنے جانا — کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب
اوس بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی — جس رات چاند نہیں ہی تاروں کی کیا کمی
شعلہ جو جب سے نظر آتا نہیں — لوٹتا ہی تب سے انگاروں پہ دل
وہ ظالم مجھکو جلتا دیکھکر اتنا نہیں کہتا — کہ کیا ثابت قدم ہی کیوں نہو آخر سراج اپنا

سعادت

واللہ جو سر لوح ترا نام نہ ہوتا — ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

سجاد

جان و دل سب قبول ہی جانا — پر گلی میں تری مجھے آنا
اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہی قہر — جنگل میں آب ہی نکل کر تمام شہر
اس زمانے میں دوستی کا رنگ — آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی

سودا

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز
غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہی کہ نہیں — جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہی کہ نہیں
فکر معاش ذکر بتاں یاد رفتگاں — اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوب رو — زاہد تجھے قسم ہی جو تو ہو تو کیا کرے
عشرت سی دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے — تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہو سکے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مثلاً گر خصم اپنے حق میں کیوں کانٹوں کو بوتے ہو
یہ عارض گل نہ ہو دیں عشق سبزہ بھی کھوتے ہو

صورت میں تو کہتا نہیں ایا کوئی کب ہے
اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے

پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب
ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئی بھولے پھلے گئے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا
سادگی دیکھ کے اس پر بھی لگا جاتا ہوں

محمد میر سوز

یاروں دور جا بسے اللہ
کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے
آج مجرے کا پھر جواب ہوا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا
تڑپنے کے سوا کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا

مثل نے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یا رب سوز ہے یا ساز ہے

شاعر

اپنے مطلب کی کہی جائیں گے ہم
گرچہ سو بار نہیں کیجئے گا

ضیا

گل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگ خلق
اس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں
ہاتھ سے اے صنم نہ کھو مجھکو

آہستہ پانوں رکھیو اے بوئے گل چمن پر
سوتے ہیں اس زمین میں نازک دماغ کتنے

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر
مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

کس سے زخم کھا کے آیا تھا
آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو
خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہے ڈھونڈتی کس کو

ہم نہ مشفر نہ ہم نہال ہوئے | اُگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے
دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی نے رحم سے | خود بخود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا
کعبہ میں چھپ رہا ہی یا دیر میں نہاں ہی | خانہ خراب جلدی تو بول اُٹھ کہاں ہی
کیا کہا قاصد ضیا سنتے ہی جس کے مرگیا | بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

ظہور

چشم گریاں حسن سے معمور ہی | چاندنی برسات کی مشہور ہی

مرزا عسکری

بات اب امتحان پر آئی | قصہ کوتاہ جان پر آئی

عشق

کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم | تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تھا کعبہ و دیر سے کسے کام | مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم

فراق

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں | کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہی

فقیر

زندگی موج آب ہی گویا | دم کا آنا حباب ہی گویا

فغاں

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے | گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا
یہ امتحاں نہ کرلے میرے مہربان عزیز | جہان میں کوئی تجھ سے رکھیگا جان عزیز
فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو | جدائی کا قصہ رہنده رہا ہی

فدوی

فدوی مرا ہی کام ہی رو رو کے تھکے جس طرح | رکھتا ہوں تمام تھام دل بیقرار کو

فارغ

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

فصیح

کر یاد سب تجھے بدھر گئے ہم ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
سرمۂ چشم جہاں ہیں ہونا خاکساری کی کرامت دیکھی

قائم

ان دنوں چرخ پر نہیں یہ مہر گود میں کانگڑی لئے ہے سپہر
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات کالے کمل میں رات کاٹے رات
دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی نادم ہوں کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا پر دیکھیو لینا نہ کہیں نام کسی کا
ہم نے ہر طرح ترے ہجر میں دل شاد کیا ہچکی آئی تو یہ سمجھے کہ ہمیں یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا
ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا
خوب نکلے ہم اس کے کوچہ سے ورنہ آئے تھے اک عذاب میں رات
آہ اے پیرِ چرخ قائم نام یاں جو رہتا تھا اک جوان ہے یاد
بے شغل نہ زندگی بسر کر گر اشک نہیں تو آہ سر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی اس سے جو کوئی جیا تو مر کر
وہ محو ہوں کہ مثالِ حباب آئینہ جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں
خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں
میں کہا۔ عہد کیا کیا تھا رات ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

نازو ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہی — کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہی

حسرتِ دل کو مری سمجھو وہی خستہ جسے — یار نے آکے دمِ باز پسیں دیکھا ہی

گو کہیں یار بلایا ہے وہ اب آتا ہی — پر اُسے میں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہی

شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے — صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے

مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجیے — جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے

شب گریہ سے وابستہ مری دل شکنی تھی — جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی

مردنِ دشوار میں یہ جانِ بے تقصیر ہی — حسرتِ دل سو طرف سے اس کی دامنگیر ہی

فلک رلائے تو ہی ہم کو لیک یہ ڈر ہی — کہ بلبلا سے کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے

مجھ سا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں — ہی یوں تو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہیں

قایم میں عندلیبِ خوش آہنگ تھا ولے — زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی — کچھ رکا جاتا ہی دل گرد سے ویرانے کی

آج کی رات جو اُس گل کا میسر ہو وصال — شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

قدرت

اہلِ عدم کو رمزِ فنا کا تھا کب شعور — سر مشقِ رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا

یوں ہوں خاک و خوں میں پڑا جس کے وار سے — قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا

کس کی نیرنگی یہ شمع پردۂ فانوس ہے — جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہی

جو نقشِ قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں تم — تا مٹ نہ چلیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم

سینہ اُس کا ہی دل اُس کا ہی جگر اُس کا ہی — تیرِ بیداد جدھر رُو کرے گھر اُس کا ہی

قربان

یوں بندِ قبا کھل گئے جو آن میں گل کے — کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے

کیا کچھ دلِ بلبل پہ کرے دیکھیے یہ عشق — سو چاک دیے جس نے گریبان میں گل کے

رباعی

کافر

کیا پھرتی ہے میکدے میں مٹکی مٹکی
زاہد عابد سے دُور چھٹکی چھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر
یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کلیم

آئی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

گماںؔ

مدت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل
اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

فیضِ گل سے پھر ہوا اب گرم بازارِ چمن
مشتِ پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن

مجھے تو زیست بھی دشوار ہو گئی ہے اب
خدا کرے کہ گماںؔ - دل مرا سنبھل جاوے

قتل کر مجکو مری نعش پہ بولا قاتل
ہائے یارو یہ گماںؔ تھا؟ مجھے معلوم نہ تھا

گریاںؔ

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر
مر جاوی وہیں وہ آہ بھر کر

سبک دہی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے
کہ دوشِ شمع پہ رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

مضمونؔ

ہم نے کیا کیا نہ تری ہجر میں محبوب کیا
صبرِ ایوبؑ کیا گریۂ یعقوبؑ کیا

میر مرد اللہ - رندؔ

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے
اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

منعمؔ

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز
دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

تصویر اُس کی کھینچ کے ناز و ادا کی ساتھ
نازاں ہے اپنے آپ پہ دستِ قضا ہنوز

محمد تقی - میرؔ

کیا دن تھے وہ کہ یار بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا ۔۔۔ بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم ۔۔۔ عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میرؔ کا اِس لیت و لعل میں لیکن ۔۔۔ نہ گیا ظلم ہی تجھسے نہ بہانہ ہی گیا

کہاں آتے میسّر تجھکو تجھ سے خود نما اتنے ۔۔۔ یہ حسنِ اتفاق۔ آئینہ تیری روبرو ٹوٹا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات ۔۔۔ کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

صیّاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ ۔۔۔ تجھکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے ۔۔۔ جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا ۔۔۔ جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے ۔۔۔ ہے خیر میرؔ صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا ۔۔۔ خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا ۔۔۔ کیا جدائی کو منہ دکھاؤنگا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میرؔ ۔۔۔ سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانندِ شمع آتشِ غم سے پگھل گیا ۔۔۔ بزم جہاں میں روتے ہی روتے بس گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر ۔۔۔ تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخِ زرد پر مرے ۔۔۔ کہتا ہے میرؔ رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

رخصتِ سیرِ باغ ہمیں نہ ہوئی ۔۔۔ یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل ۔۔۔ اِک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

کی سیر جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں ۔۔۔ توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میرؔ کی شب کو
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہر گاہ ہی دیوار کے سایہ میں پڑا میرؔ
کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگسِ بیمار دیکھ کر
جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

آتا ہی جی میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں
پھر آپ ہی آپ سوچ کہ کہتا ہوں کیا کہوں

ناز چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میرؔ اُس بن
کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس طرح کے رہنے کو کہاں سے جگر آوے

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

دمِ نزع دشوار دی جان اُس نے
مگر میرؔ کو آرزو تھی کسی کی

مر گیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کتنا خلاف وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یاں
نومیدی اور اُمید مساوات ہو گئی

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

بے بسی سے تو تری بزم میں ہم بہری بنے — نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں

اُس کے کوچہ میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر — ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں — یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے

ڈوبے اُچھلے ہے آفتاب ہنوز — کبھی دیکھا تھا تجھکو دریا پر

اِن دنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو — خوش رہو میر مری جان جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے — خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے

یہ مُہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر — مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مِنّت

مِنّت ایسے کو دل دیا تو نے — اے مری جان کیا کیا تو نے

مُحب

عارض اُس کے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے — جس طرح شبنم سے دو گلبرگِ تر بھیگے ہوئے

اشک سے مژگاں ہے نم تجھ تک پہنچتی نہیں نگاہ — مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

ممتاز

ڈروں میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا — میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا

جفائے یار نے کس طرح کر دیا مایوس — اور اپنی خاطرِ امیدوار میں کیا تھا

مری ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک — وگرنہ ہستیِ ناپائدار میں کیا تھا

عشق میں عرضِ تمنا مانعِ دیدار ہے — یہ الٰہی دستِ دعا منھ پر مری دیوار ہے

یادِ اُس شوخ کی اِس دل میں بھری رہتی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے

محترم

محترم کیا بیاں کروں تجھ سے
اِس دلِ داغدار کی صورت

مستمند

نزع تک وصل کی ہے یار اُمید
ہے مثَل ایک دم ہزار امید

مائل

کہتا نہ تھا کہ باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے
آخر گیا نہ ظالم اِک بے گناہ جی سے

مصحفی

جہاں کا گُل بنے وہ شوخ یارب
مجھے تو اُس چمن کا خار و خس کر

وقفہ

اے پیکِ نگہ دیدۂ تر ہے درپیش
دن ہیں برسات کے اور رہ میں خطر ہے درپیش
دلِ حیراں کی مری دیکھئے صورت کیا ہو
اب تو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش
ہے نہاں داغِ جگر زخم نمایاں کے تلے
جس طرح لالہ کہیں ہو گُلِ خنداں کے تلے
آشیاں بندی کی تکلیف نہ کر ہم کو ہوس
گر رہیں گے کسی دیوارِ گلستاں کے تلے

مجذوب

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر
صیاد نے سنا یہ ترانہ تو ہم رہے
عجب قسمت ہے اپنے دل کی بازارِ محبت میں
جو کوئی صبح اُس کو لے گیا تو شام لے آیا

ناجی

اُس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

ولی

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ اُسے حال مرا یاد نہ آیا

صنم کے لعل پر وقتِ تکلم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم

زندگی جامِ عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں مہرو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اے جانِ ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنت سے بہار کیوں کہ جاوے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو
کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

وحشت

لگتا ہے مجھکو آج یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب

وفا

حسنِ عمل پہ اپنے نہ پھول اس قدر کہ شیخ
واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں
آخرش وہ بھی جان رکھتا ہے

بس کہ اپنے انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بسترِ گل پہ بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کر لیا ہے اُس نے اے محرم تو کیا
یاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

نہ کشتی پار ہی بہہ کر گئی اپنی نہ وار آئی
ہوئے ہیں غرقِ دریا اُس گھڑی جب عین دھار آئی

شب و روزِ وصل کو روئیے کہ عجب وہ لیل و نہار تھا
کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی ناز تھا کبھی پیار تھا

یک رنگ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرے صبر و قرار جاتا ہے

خیال چشم و ابرو کر کے تیرا — کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدانِ کربلا — گلزار کی نمط ہے بیابانِ کربلا

اندھیری جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ — ہے سر بریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

یآر

جائے سنگِ لوحِ تربت نصب کیجو آئینہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کشِ دیدار تھا

آفریں اے دستِ گستاخِ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

۱۶ر نومبر ۱۹۲۱ء
حیدرآباد (دکن)

محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی

*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخن سنجانِ مضمون پرور را حمدِ قادرے کہ زبانِ لالِ قلم را از سرمۂ دودۂ چشمِ سحر نگار
بلبلاں نمودہ محال، و نکتہ پردازانِ معنی گستر را ثنائے صانعے کہ حسنِ شاہدِ مضمون را در آئینۂ
الفاظِ جلوۂ عروسی دادہ بہ نظرِ صاحب نظراں در آوردہ اند، ہم ست و خیال، سبحان اللہ تشبیہ
را ہوسِ منزّہ در سر آید لاحول و لا قوۃ الا باللہ، چہ حمدے کہ سزاوار محمدت او ست بزبانِ
محبوبِ خود فرمودہ، الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین، و غریقِ بحرِ معصیت از
زبانِ زیاں کار نعتِ معجز بیانی کہ شادابیِ کلامش سبعۂ معلّقہ را از عرقِ خجالت فصحائے
بطحا شستہ بچہ رو گویا نہ محض جرأت ست و محال چہ شائستہ کہ درخورِ لیاقت او ست مُحبِ او
فرمودہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین و ایاک نعبد و ایاک نستعین او میسازد کہ ہر کہ
صراط المستقیم اندر روندگانِ طریقِ ہدایت را و خضر راہند گمگشتگانِ بادیۂ ضلالت را، در منقبت
ایشاں از خود چہ انشا کند غیر ازیں مناجات کہ اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین - اما بعد ایں پروردۂ آغوشِ رنج و محن اسیرِ دار الحزن میر
غلام حسن ابنِ میر غلام حسین بنِ میر عزیز اللہ را تمنائے آں رسید کہ تذکرۂ سخن آفرینانِ ہندی
زبان را کہ چمن چمن گلہائے رنگین معانی، گلشن گلشن نازک خیالی در گریباں، یوانہا ریختہ اند
دستہ بندِ صفحۂ اوراق نماید تا ہر صاحب نظرے از تماشائے آں بحمدِ صانعِ حقیقی آگہ شود

کہ مصنوعِ اُو یک عروس را بہ ہزاران ہزار بوئے معانیِ پیچیدہ، اگر عاشقانہ است بیابان بیابان
وحشت در روست و گر مجنونانہ است جفا جفا غمزہ با وست اگر بزمیہ است محفل محفلِ طنازی ست
و گر رزمیہ است میدان میدانِ جانبازی ست اگر تعریفِ خوش خرام ست قمریِ سرو قالی
شان خندہ کبک بر کوہسار دارد، و گر تعریفِ تیغِ خون آشام ست دمِ او چشمک بر برقِ خاطف
می زند، غرض ازین جا ثابت می شود معنیِ الحمد کہ جمیع محمدت محمودِ حقیقی ست، و ما توفیقی الا باللہ
علیہ توکلت والیہ مآب، پس از دریافتِ حالِ خیر مآل ہر صاحبِ سخن شمۂ کہ از دوستانِ حقیقت
دان مسموع نمودہ در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت و مطابقِ حروفِ تہجی نامِ ہر یک را ضبط نمود تا
جویائے را تردد نہ افتد، و دعائے خیر خلف و سلف نماید، مدعائے فقیر از ذکرِ جمعِ کثیر ہمین ست
دلبن، شاید بہ طفیلِ این بزرگان کسے را توفیق در حقِ این جامع آید، باللہ التوفیق والیہ التکلان

ذکرِ اول بادشاہِ جمجاہ سکندر سپاہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ، با وجود شغلِ جہانبانی و
فرمانروائی گاہ گاہ بحسب اتفاق زبانِ الہام بیان را بہ گفتنِ رباعی و بیتے کہ عبارت از فارسی
و ریختہ نیز باشد گلفشان می نماید و آفتاب تخلصِ او و درین زمان اظہر من الشمس ست خلد اللہ ملکہ
و افاض اللہ برہ و احسانہ، من غزل

صبح تو جام سے گزرتی ہے — شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گزرتی ہے

بعضے از احوالِ متقدمین
حروف الف سلک متقدمین

باید دانست کہ ریختہ اول از زبانِ دکن رواج یافتہ
فقیر اللہ "آزاد" تخلص از حیدرآباد، بود در صغرِ سن
یتیم شد اہلِ محلہ عزیزش می داشتند، چون بحدِ بلوغ رسید عشقِ گل رخے ورزیدہ مانندِ عندلیب
نالاں بہ آہ و فغان بسر می نمود و برنگِ صبا سراسیمہ می گشت، یک جا قرار نمی گرفت چنانچہ ہمراہ
فراقی دکھنی در شاہجہان آباد آمدہ بود طبع دردمندی داشت و بسیار بہ صفا حرف
می زند خدا بِحالش بیامرزد، از وست۔ ۵

کوئی کسی ہی فن میں مجھ ساتھ بر نہ آیا ۔ پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا [۱]

احمد گجراتی از قدیم ست دگر احوالش معلوم نیست ؎

ہوئے دیدار کے طالب خودی سی خود گزر نکلے ۔ نہ پائی راہ دانش میں خردمنداں بے خبر نکلے

محمد افضل "افضل" تخلص از قدیم ست کدام ہند و بچہ گوپال نام بود کہ برو عاشق شدہ حسب حال خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں و گانیاں مشتاق او می باشند نصفے فارسی و نصفے ہندی دارد لیکن قبولیت دادالٰہی ست بردلہا اثر می کند از وست

پڑی ہے گل میں میرے پیم پھانسی ۔ مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسی

مسافر سے جنھوں نے دل لگایا ۔ اُنھوں نے سب جنم رو تے گنوایا

آدجی تخلص از پیرزادہائے حیدرآباد بود اوّل در شعر و شاعری و آخر بعبادت گزرانید غفراللہ

درپن سیتی نگاہ کو مائل نکو کرو ۔ یہ دوکھ ایس کے واسطے حاصل نکو کرو

احمد گجراتی دیگر در زبان سنسکرت و بھاکا می گویند کہ تصانیف بسیار دارد، چوں معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود دو سہ ریختہ نیز گفتہ، خدایش بیامرزد ؎

شب جھوٹے وعدوں پر جو ترے ہم بہک گئے ۔ کوئی لاکھ بار گھر سے اُٹھے در تلک گئے

پوچھی تھی کل بتاں سے کہیں دل کی میں خبر ۔ سو آج لا کے سر سے وہ میرے پٹک گئے

احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں ۔ سر پر تو سانجھ پڑ گئی اور پانو تھک گئے

امجد تخلص نیز شخصے از قدیم ست، اکثر قوالان ایں غزل او را می خوانند ؎

سنتا تھا جسے کعبہ و بت خانہ میں آخر ۔ امجد میں اُسے حضرت انسان میں دیکھا

ذکر احوال متوسطین از حروف الف

او اخر فرخ سیر و ابتدائے سلطنت محمد شاہ بادشاہ خان مغفرت نشان سرگروہ سخن سنجان استاد استادان ہندوستان جنت نشان چراغ دودمان نغتگی سراج الدین علی

---

[۱] تذکرہ شعرائے ہند، مؤلفہ ڈاکٹر فیلن و مولوی کریم الدین میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے ؎
سب صنعتیں جہاں کی آنا دہم کو آئیں

خاں آرزو، بعد امیر خسرو دہلوی چنیں صاحب کمال پُرگو دخوشگو بمبارمۂ عالمیان نہ رسیدہ ہفت دیوان دارد کہ ہر یکے پہلو بہ نظیری وفغانی می زند و دیگر چند تصنیفات دارد فکر صائب او تزلزل در ارکانِ مضامینِ مبتذل انداختہ شاعرِ فارسی و عالم فاضل شہرۂ آفاق در سخن ہی طاق، اُستادانِ ریختہ نیز شاگردِ اوبند، برائے تفننِ طبع دو سہ ریختہ خود ہم فرمودہ نور اللہ مرقدہٗ، ے

جان، کچھ تجھ پہ اعتماد نہیں — زندگانی کا کیا بھروسا ہے
میخانے بیچ جاکر شیشے تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے
رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
آتا ہے صبح اُٹھ کر تیری برابری کو — کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

اسد یار خاں المتخلص بہ "انسان" مردے بود بکمال انسانیت وقابلیت، دراں زماں بہ پایۂ امارت رسیدہ بسیار بکرّو فر معاش می نمود، خدا اُش بیامرزد ے

نہ دیکھی اک جھلک بھی آن کر تن بیچ اندھوں نے — اگرچہ ہر بُن مو سے بدن سارا شبکا ہے
زمین و آسمان و مہرومہ سب تجھ میں ہیں انساں — نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا جھمکا ہے
سودا خیالِ خاں کا سر سوں گزر گیا — تل باندھتے تھے جس میں وہ کملی نہیں رہی

باید دانست کہ سخن سنجانِ آں زماں در ریختۂ صنعتِ ایہام می بودند و تلاشِ لفظِ تازہ می نمودند چوں طرزِ تازہ بود خوش می آمد لیکن اکثرے ازیں بحر گوہر شہوار بر دند و بعضے بسبب تلاش لفظ خذف ریزہ بہ کف آوردند، چار و ناچار برائے یادگار رقمی می نماید معذور باید داشت۔

محمد اشرف ہمعصر میاں آبرو شخصے بود ے

سے پل میں نیم خواب کے ڈر بڑنے گالیاں — اس غم سے خاک عاشقان سیوں نے ڈالیاں

مرزا اکبر قلی اکبر آبادی ے

جا کہہ نسیمِ گل سے سرما کا خوف مت کر — بُلبل کے بال و پر سے تو سی بنا دو شالا

"ادگار" تخلص ہے ؎

چاہیے گر بت کو پوجو دل کو تبخانہ کرو
رام ہے سرجن تمھارا گھٹ میں پہچانا کرو

خواجہ زین العابدین آزاد، تخلص جوان محمد شاہی بود، از وست ؎

جبھی بلبل نے چھوڑے شعلۂ آواز کے جگنے
تبھی گلشن کے سارے جل اٹھے گل اور کنول دیکے

آبرو، غنچۂ گلزار گفتگو از شاگردان سراج الدین علی خان آرزو میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک المتخلص بہ آبرو، نبیرۂ حضرت محمد غوث گوالیاری نور اللہ مرقدہٗ از ابتدائے جوانی مشق سخن می کرد شاعر خوشگوے در وقت خود بود، خدا لیش بیامرزد ؎

دل تو دیکھو آدم بے باک کا
عشق سے تپلا بھرا ہے خاک کا

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہو گی
اس دل بے قرار کی صورت

کریں جو بندگی ہوویں گنہگار
بتاں کی کچھ نرالی ہے خدائی

بوسا لباں سی لینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی
ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے
یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

اٹھ جیت کیوں جنوں سیتی خاطر نخیت کی
آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا اب تک نہیں مجھ کوں
طرح وہ پانو رکھنے کی مری آنکھوں رہی ہے

آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر
خون کرنے کو چلا عاشق پہ تہمت باندھ کر

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بیحاصل ہے یہ
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن
جو اور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

یہاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

زلف کی شان کھ اوپر دیکھو
کہ گویا عرش پر لٹکتی ہے

کیا ہوا گو کہ مر گیا فرہاد — روح تیشہ سے سر پٹکتی ہے
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے — وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے
چھوڑیگا پیارے جی کسی کا — تمہارا ہنس کے یہ کہنا اجی کا
زندگی ہے سراب کی سی طرح — باد بندی حباب کی سی طرح
کون چاہے گا گھڑی تجھ کو — مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح
تب سینے دل کو بے قراری ہے — جب سے ملنے کا کر گیا ہے قرار
جلتا ہے اب تلک ترے مکھڑے کے رشک سے — ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل
نالہ ہمارے دل کے غم کا گواہ بس ہے — دینے کے تئیں شہادت انگشت آہ بس ہے
دل کب آوارگی کو بھولا ہے — خاک گر ہو گیا بگولا ہے
شوق سے جس گھر میں ہو تو جلوہ گر — آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

شاہ ولی اللہ درویشے بود بکمال خوبی واخلاق المتخلص بہ اشتیاق، از اولاد محمد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل مولداو سرہند بود در کوٹلہ فیروز شاہ کہ در شاہ جہان آباد مشہور ست مسکن داشت از جملۂ اوستادان ایہام بنداں بود، الحق کہ بسے خوش فکر وخوش تلاش، از دست ہے

چھوڑ کر تجھ کو ہمیں اور سے جو لاگ لگی — نہیں یہ مہندی ترے تلووں سے ہی آگ لگی
تباں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
دوبالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے — پیالا اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے

در وقتیکہ نواب روشن الدولہ مغفور از شاہ جہان آباد تا درگاہ قطب صاحب کہ عرصۂ ہفت کروہ خواہد بود چراغاں کردہ بود دراں باب گفتہ بود ہے

ایسا مرید کیوں نہ دو عالم میں نستر ہے
پیروں کی راہ میں جو کروڑوں دیا کرے

میاں احسن اللہ احسن تخلص در ہمان عصر مردے بود بجمال خوبی طبعش بسیار مائل ایہام بود خدایش بیامرزد **ازوست** ؎

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ — کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

لام نستعلیق کا ہے اس بتِ خوش خط کی زلف — ہم تو کافر ہوں اگر بندے ہیں اسلام کے

علی احسن خاں خان ساماں **عمدۃ الملک امیر خاں احسن** تخلص خدایش بیامرزد **ازوست**

مدت ہوئی ہے دل کو وہ دلبر کے ساتھ ہے — دل تو ہماری ہاتھ نہیں اس کے ہاتھ ہے

الف خاں بہ لباس فقیری بسر میبرد **ازوست** ؎

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا — مجنوں یہ چند روز بھلا کیوں کہ جی گیا

ہینگن خاں متخلص بہ **افغان** در ذوینہ سرکار امت الحبیب بود موافقِ نام ذہب خود میگفت ؎

خسرو سے ملی شیریں جب شرد شکر ہوکر — پتھر سے پٹک سر کو فرہاد بہت رویا

نواب امیر خاں از امرائے عظام وظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع وشیریں کلام از مقربان درگاہِ فردوس آرامگاہ بود لطائف وظرائف او مشہور ومعروف ست گاہ گاہ اشہب فکر را حسب اتفاق در میدان نظم نیز جولان می نمود نمک حرامی او را بمشورۂ دشمنانش سر سواری اند درونِ قلعہ شاہجہاں آباد شہید کرد غفر اللہ لہ **ازوست** ؎

ٹک تو فرصت دی کہ رخصت ہو چلیں صیاد ہم — مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

بیتیں بلائی بھڑیں یہ مجھ سے نادانی ہوئی — دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

سید عالی نسب والا حسب غنچۂ گلشن افکار میر جیون متخلص بہ **انکار** از شاہجہاں آباد است بیشتر فکرِ منقبت میکرد از مدتے برائے زیارتِ مشہدِ مقدس رفت از انکہ عقیدۂ درست داشت برمزارِ مقدس بہ **قرآن خوانی جا یافت نقل است**

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر | مجھکو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے | پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں
میں کہاں تو کہاں یہ کہتے ہیں | کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں
عاشقی اور عشق کی باتیں | سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں
آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا | آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا

"الم" بنیع اشفاق وکرم میاں صاحب میر المتخلص بہ الم، بزرگ و بزرگ زادۂ عالی نسب والاحسب خلف حضرت خواجہ میر درد چندے بہ فیض آباد تشریف آوردہ بودالحال پیش پدر بزرگوار استقامت دارد گاہ گاہی فکر دو سہ بیت ہم می نماید خدا سلامت دارد از وست ؎

نہ دل کو قرار بے قراری کے سبب | نہ چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی | یہ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

محمد اجمل اجمل تخلص الہ آبادی است، از فرزندان شاہ خوب اللہ بکمال فضیلت وآدمیت تحصیل علم و تربیت درخدمت برادر بزرگوار خورد شاہ غلام قطب الدین المتخلص بہ مصیبت یافتہ شاعر فارسی است چند کتاب تصنیف نمود بندہ با وے دو سہ ملاقات کردہ وکلامش شنیدہ الحق کہ کمیت فکرش درعین جولانی و رشتۂ سخنش چون لف زر گلرخان طولانی، گاہ گاہ ریختہ ہم میگوید، چون محاورۂ این زبان جدا است خود از کم مشقی خود اظہار عجز دارد بسیار منصف مزاج است الحال مسند نشین حضرت شاہ خوب اللہ اوست حق تعالی بسیار سلامت دارد۔ از وست ؎

ہو گیا خون ناب آنکھوں میں | تھا جہاں تک کہ آب آنکھوں میں
شب فرقت میں تیری اے ظالم | ہو گیا خواب خواب آنکھوں میں
شاد تھا دل سب طرح سے بزم میں جب جانا نہ تھا | ہائے کیسی رات تھی جس رات وہ ہمخانہ تھا

ہو گیا تھا کہتے۔ کہتے ان دنوں میں ہوشیار　　پھر جو کل دیکھا میں اجمل کو وہی دیوانہ تھا

خان عالی شان محمد یار خاں المتخلص بہ امیر ولد علی محمد خاں روہیلہ بسیار خلیق وجوہر شناس طبع موزوں دارد از محمد قایم مشورہ شعر دارد خدا قایم دارد۔ از وست ؎

اس منہ سے الا کچھ نہ نکلا　　جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
دیکھی جو میں سرنوشت اپنی　　جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا

میر اسد علی اسد تخلص سید عالی نسب در کمال وجاہت از شاگردان مرزا رفیع سودا اصل از شاہجہاں آباد است الحال از سبب پریشانی روزگار طرف مرشد آباد رفتہ خدایش سلامت دارد ہجو گفتہ خوب گفتہ و بسے درہائے معانی سفتہ طبع رسائے دارد، از وست ؎

کس جنگجو کی صبح کو باتیں نکالیاں　　باہم صبا چمن میں الجھتی ہیں ڈالیاں
جیوں توں اسد کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم　　خانہ خراب راہ میں پر پھر مچل گیا

میر ظفر علی آزاد تخلص دردمند و عاشق مزاج اصل وے شاہجہاں آباد است در مرشد آباد مقیم است بیشتر فکر فارسی می نماید نقل است کہ یکے از کنیزان شخصے بنا بیگم نزاکت نام برا و عاشق شد ہر چند کہ عدم ملاقات بود لیکن نہاں نہاں ازاں شعلۂ آتش در دل داشت از انجا آتش طرف ثانی را نیز گرمی ہم رسید روزے صاحبہ او پرسید کہ چرا چنیں حال داری آں زن مردانہ گفت ہر چہ خواہی بکن بر فلانے عاشقم صاحبہ در غضب شدہ بزیر چوب کشید و قید کرد، میر مذکور ایں خبر شنیدہ بسیار گریست و گفت ؎

معشوق ز رسوائی من خانہ نشیں شد　　ایں بود سزائے نگہ بے ادب ما

غرض کہ سخن میر خالی از نزاکت نیست سلامت باشد ؎

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں　　یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو　　دل کو اس وعدے سے میں شاد کروں یا نہ کروں

خانۂ اکدم کے لئے سیل بہ مانندِ حباب ‏ متحیر ہوں کہ بنیاد کروں یا نہ کروں
مرغِ دل تیری جدائی سے پڑا تڑپے ہی ‏ اس کو کیا حکم ہے آزاد کروں یا نہ کروں

خواجہ امین الدین امین تخلص ساکن مرشدآباد است ذکر احوالش معلوم نیست سلامت باشد از وست ؎

عمر مٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی ‏ دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

میر غلام علی اظہر تخلص متوطن شاہجہان آباد از شاگردانِ میر شمس الدین فقیر طالب علم در فن شاعری مربوط دیوان فارسی پُر مضامین دارد الحال مائل ریختہ نیز گردیدہ چوں سر رشتۂ سخن معلوم است خوب خواہد گفت طبعش دقت پسند اُفتادہ است خدایش سلامت داردہ از وست ؎

ساقی بہار آئی میرا ایاغ خالی ‏ انصاف بی ہی ظالم مت کر دماغ خالی
ابتو ہر یک سے طلب کرنے لگے چاہ نئی ‏ ہی یہ آئین وفا میں تمھیں سے راہ نئی
نہیں یہ مردمکِ چشم ساتھ آنسو کے ‏ نکل کے داغ جگر جم رہا ہے آنکھوں میں

میر عاصی آب جو بیارِ شرافت و سروِ بوستانِ سیادت گل گلزار ہاشمی میر برہان الدین عاصی، شاعر ریختہ گو و مرثیہ گو بود متوطن شاہجہان آباد در بہادر پورہ استقامت داشت در علم تاریخ و شمشیر شناسی و لطیفہ گوئی دستے بہم رسانیدہ بود از چندے بہ رحمت الٰہی پیوست خدایش بیامرزد ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا ‏ ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں ‏ بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا
مثالِ آئینہ ہم نے بھی نقش جہاں دیکھا ‏ جہاں دیکھا بہ صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا
قیامت کی جو نوبت ساری ہجر یار میں گزری ‏ وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا
نشے نے میکشوں کے کیا فلک پر سر اُٹھایا ہی ‏ کہ بادل بھی سیہ مست ہو چمن پر جھوم آیا ہی

مجھے تھا دھیان زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا	خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے

میرا امانی ولد میر عاصی، جوانے بود بکمال خوبی طبع موزونے داشت با فقیر بسیار آشنا بود بیشتر فکر مرثیہ می نمود از ینجا بسبب پریشانی روزگار بطرفِ مرشد آباد رفت نقل وفات او عجیب و غریب است، روزے در خانۂ شخصے مجلس امامؑ مقرر بود، میر مذکور بعادت خود بر منبر رفتہ مرثیہ بر خواند نصفے نخواندہ بود کہ بر مردم رقت گردید چنانچہ خود ہم ترنپت و پشت بر دیوار منبر دادہ مانند تصویر ساکت گردید مردم گمان بردند کہ حالا بند دیگر خواہد خواند چوں خاموشی بطول انجامید اکثر اشخاص برخاستہ دیدند کہ جان بجان آفرین سپرد، خوشا بحال کسے کہ در غمِ امام علیہ السّلام جاں بحق تسلیم کرد و مشقِ شعرش بہ پختگی نرسیدہ از بسکہ مصروف مرثیہ بود خدایش بیامرزد ؎

شور بر کوہ و بام کرتا ہے	دل بڑی دھوم دھام کرتا ہے
نہ وہ سنتا ہے وہ امانی حال	نہ تو قصہ تمام کرتا ہے

رائے پریم ناتھ خلف رائے کشن ناتھ از قوم کھتری است قایم در تذکرۂ خود نوشتہ کہ ظاہر حالش چوں طبع خویش موزون و موزونی طبعش از خوبی ظاہر افزوں، خلف بے نظیر و کماندار دلپذیر غزل فارسی بسیار بخوبی میگوید گاہ گاہے فکر ریختہ ہم میکند از وست

اَن بولا سجن کا میٹھا لگے ہے، دل کو	خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی

آشنا تخلص شخصے شنیدہ ام بفقیر آشنا نیست از کلامش معلوم میشود کہ فی الجملہ آشنائی با سخن دارد، معلوم نشد کہ کجاست ہر جا کہ باشد سلامت باشد، از وست ؎

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا	درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اُس کے	نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
کبھو تو مہرباں ہو ہم پہ اے بُت	کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے
آشنا کیا بنے گی آخر کو	تجھ سے خانہ خراب کی صورت

آشنا وہ نہووے گا میرا   یاد رکھیو تو عاشقوں کی بات

خواجہ اکرم مردے خوبے بود در شاہجہان آباد، معلوم نیست کہ الحال کجاست در گفتن تاریخ خیلے مہارت داشت، ہر حرفے و سخنے کہ میگفت واندکے تامل میکرد تاریخ برمی آمد، **از وست** ؎

ایکبار مرے دیر میں زاہد اگر آوے   میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

مرزا **حسن علی**، چراغ بزم سخن مظہر اخلاق حسن مرزا حسن علی المتخلص بہ احسن اختر فکرش در اوج و خضر طبعش پُر موج، جوانیست خوش خلق و نیکخو اصل از عرب است نشو و نما دریجا یافتہ از متوسلان محمد یونس نماں اوائل استفادہ از میر ضیا حاصل کردہ الحال شعر خود را پیش مرزا رفیع میگزراند، قصیدہ و غزل خوب میگوید بوسیلۂ شاعری در سرکار نواب **شجاع الدولہ** سرفراز ست، طالب علم است دو سہ خط ہم خوب مینویسد خدا بسلامت دارد۔ **از وست** ؎

خاکِ چمن میں کس کی ملی آرزوئے دل   جو غنچہ یہاں کھلے ہی تو آتی ہے بوئے دل
جو دل اُدھر گیا سو وہ ماٹی میں مل گیا   تیری گلی میں خاک کریں جستجوئے دل
ہے مجھ میں رمق دیدہ تجھے تا نگراں ہے   جوں شمع مرا تار نگہ رشتۂ جاں ہے
کیوں کر نہ کروں نالہ و فریاد میں احسن   مانندِ جرس دل مرا لبریز فغاں ہے
یارو وہ صنم کیوں نے کرے کام خدا کا   رام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
صبح کا نکلا وہ گھر سے جب نہ آیا شام کو   تنگ پایا جی یہ میں کیا عرصۂ آرام کو
سر اپنے کو جوں لے گئے ہم اس کی قدم تک   پہنچا دیا ٹھوکر نے وہ ہیں ملک عدم تک
لطف ہیں کیے ادھر بھی تو نگا ہے گا ہے   شاد ہر لحظہ نہیں کرتے تو گا ہی گا ہے
دل بھر سے پنے کو کس طرح سے کیجے خالی   اس کی غیرت نے نہ دی رخصت آہ گہ گہے
ابرو غمازوں نے وہ بات بھی کھو دی یارو   پھیر کر بیٹھتے ستے جو مرا ہے گا ہے

محرومِ ہم ہوں محرمِ اسرار ہو کوئی
خلوت میں ہو کوئی پسِ دیوار ہو کوئی

راتوں کو اُس کے کوچے میں جاتا تو ہوں ولے
دھڑکے ہی دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی

عشق کی آتش جلے ہی یوں دلِ مایوس میں
جس طرح شعلہ ہو روشن شمع کا فانوس میں

سجدہ گہ ہی خاکِ احسنؔ اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اُس نے کس کی حسرتِ پابوس میں

پہنچی جس وقت مجھے اس کی خبر آنے کی
سدھ رہی مجکو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی

تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تلک حاضر ہی
بات ہی یہ بھی کوئی آپ کے زمانے کی

دل کو نہ رکھوں سینے میں تو کیا کروں احسنؔ
جس جنس کا خواہاں نہو ناچار بغل میں

خواب میں جو روح تن سی غم سے یوں میں خستہ ہوں
گو دلِ وارستہ ہوں پر جا بجا میں بستہ ہوں

دل ہو دیدار سے مایوس تو مسرور نہو
چشم میں روشنیِ طور سے بھی نور نہو

کس طرح سے ملے آپس میں لبِ زخمِ جگر
یہ تو وہ در ہے کہ تجھ بن کبھی معمور نہو

بزم میں اُس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہی کہ میرا کبھی مذکور نہو

ہجر میں کیوں کر نہوئے آہ و زاری بیشتر
ہی قرار اس دل میں کم اور بیقراری بیشتر

روزِ ہجراں ہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم
وصل کی راتیں کٹیں یوں ہیں ہماری بیشتر

نہ رویا مرتے مرتے تاک بھی تیری خودی سی احسنؔ
گئی سب خاک میں افسوس اُس کی حسرتِ گریہ

کل طلب میں مے کی یوں ہم یار منہ کھولے رہے
نزع میں پانی کو جوں بیمار منہ کھولے رہے

دل کو خواہش ہی یہ کس کی تیر کی یارب کہ اب
شکلِ پیکاں ہو کے جوں سوفار منہ کھولے رہے

سخت مشکل ہی وہ خوگر منہ پہ رکھنے سے نقاب
اور چاہیں چشم یہ دلدار منہ کھولے رہے

ق

جام مے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس بیچ
غیر دانا کو پہیم دئے اور یار منہ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرہ کو ترسا کئے
لڑھ گئے دو چار اور دو چار منہ کھولے رہے

خون احسنؔ کا نہ چاٹے جب تلک کب ہو نیام
اژدہا کی طرح وہ تلوار منہ کھولے رہے

ہاتھ سی تیرے اے فلک جان و جگر کباب ہے
عیش جو کل نصیب تھا آج خیال و خواب ہے

چہرے سے اُس کے منفعل روئے زمیں کے ماہرو
جلوے کو اُس کے دیکھکر چرخ میں آفتاب ہے

زخم لگا کے سیکڑوں کرنے لگا شمار وہ
جو ہوئی سو ہوئی دلا اب تو سرِ حساب ہے

ملبے ترا جگر نہ لاہو دے ہی سنگ اُس کی تو
تیغِ نگہ سے جس کے اب زہرۂ برق آب ہے

کھینچئے ٹک بچشم خود سیرِ دلِ پر آبلہ
یار اس ایک شیشے میں سیکڑوں ہی حباب ہے

شدتِ ہجر سے روز و شب کیجے رقم کہاں تلک
نامۂ شوق کی مرے شرح تو اک کتاب ہے

اس لئے کر کے مختصر تھوڑا سا کچھ لکھا تھا میں
یہ ہی لکھا نصیب کا اس پہ بھی یہ عتاب ہے

نامہ پٹک کے ہاتھ سے آئینہ دیکھنے لگا
اس سی یہ ہم پہ کھل گیا صاف ہمیں جواب ہے

یاد سی احسن ان دنوں کس نے ہمیں بھلا دیا
سینے میں دل کو اپنے کچھ خود بخود اضطراب ہے

ولہ

دھمکائیے جا اُن کو جو مرگ سے ڈرتے ہیں
ہم ہیں ترے پروانے جی دینے پہ مرتے ہیں

تم غیر کے ہاتھوں سے واں جام چڑھاتے ہو
یاں حلق میں لوہو کے سو گھونٹ اُترتے ہیں

[1] ہو دست بسر ظالم کب لیں ہمیں میسر
سو ناز سے ہاتھ اپنا ٹک سینے پہ دھرتے ہیں

چھٹتا ہی کوئی نالہ ہم سے دمِ آخر تک
دم جب تئیں ہی دم میں دم آپ کا بھرتے ہیں

کھلتے ہیں اسیروں کے صد عقدۂ غم دل سے
تجھ مکھڑے پہ زلفوں کی جب بال بکھرتے ہیں

پھر فصلِ بہار آئی جو ہووے سو ہو احسن
مُغ پاس گرو ہم بھی دستار کو دھرتے ہیں

ولہ

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

رہی جو تن میں مری جان اک رمق باقی
لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا

اسی لئے تو میں تجھ سے خفا ہوں اے احسن
گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشمِ تر نہ لگا

---

[1] یہ شعر اصل نسخہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ ام پو۔ کے نسخہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

جب اُس کی آگے تھک جاتا ہوں میں جو اب کہہ سکے　　تو کہتا ہی نہیں سمجھا ہیں پھر کہیو ذرا یہ کہے
اسی مُنہ سے تمھیں دعویِ میخواری ہی اے احسن　　ہوا ظرف آپ کا معلوم دو ہی جام میں بہکے

ولہ

ہوس لے آئی تھی اُس جنگجو کے پاس مجھے　　نگہ لڑی تو رہے پھر نہ کچھ حواس مجھے

میر انشاء اللہ از خوبان جہان و خوش فکران زمان سخن آگاہ میر انشاء اللہ طبع تازہ و ذوق بے اندازہ شراب معانی و ذوق جوانی فرح بخش و مسرت افزا ست خلف حکیم الحکما میر ماشاء اللہ دام افضالہ انشا تخلص می نماید جوانیست خوش ظاہر و خوش طبع با قبلہ گاہی دوست دلی است تو مشق است اکثر طرز او بطرز میر سوز میماند اصل وے از نجف است و مولد او بطرفِ بنگالہ خدایش سلامت دارد، از وست

گالی سہی جفا سہی چینِ جبیں سہی　　یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
منظور ہم کو دل کا لگانا ہی جب ہوا　　کیا آپ کا اجارہ ہی اس میں کہیں ہی

بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے　　بولا ہی چل اُٹھ کدھر پڑا ہے
نالہ ہی تجھے تو کھینچ لایا　　رونے کا اثر ابھی پڑا ہے
یوں سب سے نہ مل کہا تو بولا　　تیرا ہی تو مجھکو ڈر پڑا ہے
جی دیں اپنی جان کے صدقے　　یعنی اس نوجوان کے صدقے
کھا قسم جھوٹ بولے ہی کتنا　　چپ ہو چپ بس قرآن کی صدقے

ہوئی ہیں خاک سرِ راہ اُس کے ہم انشا　　بڑا غضب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

نور خاں جوانیست از شاگردانِ شاہ واقف آگاہ و تخلص میکند چندے از میر ضیا نیز اصلاح گرفتہ است بوسیلۂ قصہ خوانی بسر می برد در این فن شاگرد میر احمد مرحوم است کہ بہ قصہ خوانی مشہور بود غرض جوانِ خوش ظاہر است خدایش سلامت دارد، از وست

منہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کی　　باتیں بنا بنا کے نہ کیجیے نباہ کی

بے خبیا سیکڑوں دستار گر پڑیں / جب میری کجکلاہ نے ٹک کجکلاہ کی

عبادت گاہ ہے محراب کعبہ ہر مسلماں کی / ہماری سجدہ گہ محراب ہے اپنے گریباں کی

برغزل میاں حسرت بشورۂ شاہ واقف گفتہ۔

چار پاویں جو تجھے ایک نظر دیکھیں تو / تو بھی پردے سے نکل نور بصر دیکھیں تو

دیکھیں تو، در مصرع ثانی بعضے میگویند کہ حیثیت نیست البتہ جائے تامل است

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہے دم پا بر کاب / ہے کہاں کا ہمیں در پیش سفر دیکھیں تو

نہیں ممکن کہ ملیں مفت یہ بت عاشق سے — قطعہ — اپنے کوچے میں بھی کر خاک بسر دیکھیں تو

زر اگر بر سر فولاد نہی نرم شود / آپ سے آتے ہیں گر ہاتھ میں زر دیکھیں تو

آشنائے خفی و جلی میر اعلیٰ علی، از سادات عالیشان سپہر مکان ابن میر ولایت اللہ خان نور اللہ مرقدہ، مردیست خلیق، و متواضع در مخمس نمودن غزل دستے بہم رسانیدہ است تضمین خوب خوب دارد منقبت و مرثیہ نیز میگوید و معجزات ہم از فکر او در منقبت مشہور است چنانچہ اکثر گدایان و نقشبندان میخوانند، مولد او در شاہجہان آباد است، وطن آبا و اجداد بطرف توران زمین است، حق تعالیٰ سلامت دارد، ایں چند بیت ازاں بزرگوار است ع

کیا ہے تیری آنکھوں نے نہ کچھ مجھ پر ستم خالی / ہوئی ہیں جان سی نرگس کے قالب یک قلم خالی

چمکنا برق کا مینہ کا برسنا کیا کرے دیکھیں / نہ ہنسنے سے وہ چپ رہتا ہے رونے سے نہ ہم خالی

بتو اللہ کبھی سوں دل مرا جب تک نہ حاضر ہو / نظر آتا ہے آنکھوں میں مری دیر و حرم خالی

لگا دیں منہ نہ ہرگز دیکھ کر بے کیفیت اس کو / فلک گردش میں اپنی ہمیں دے جام جم خالی

نہ جاوے دل ستی اعلیٰ علی کے الفت ساقی / نہ ہو اس جی سے یہ شیشہ الٰہی ایک دم خالی

کوئی مانی کہ صورتگر ہو کہ بہزاد کے صدقے / تری صورت لکھی جس ہم اس استاد کے صدقے

تولیت زاہدے یوں سمجھا یہ بتخانا لیا / تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانا کیا

نہ چھوڑا ہیں جھنجلا کے تار گریباں / رہی تا نہ گردن میں بار گریباں

جو ہاتھ اس کے بند قبا کھولتے تھے / سو مشغول ہیں اب بکار گریباں

رباعی

ہر فعل میں ہم چُست کہ چالاک ہوئے   یا دخترِ رز کے ساتھ بیباک ہوئے
موقوف ہی زیست تک یہ سب کچھ زاہد   جب خاک ہوئے تو سب طرح پاک ہوئے

میر شیر علی المتخلص بہ افسوس ابن میر علی مظفر خاں داروغۂ توپخانہ عالیجاہ از شاگردان میر حیدر علی حیرانؔ، در بنگالہ بسیار ثروت داشت الحال در سرکار نواب آصف الدولہ بہادر سرفراز است جوانے است ظاہر و باطن آراستہ بحلم و حیا پیراستہ، ذہن سلیم و طبع فہیم دارد چندی از میر سوز نیز فائدہ برداشت با فقیر از سبب ہمنشینی صحبت شعرا اکثر میشود ہر سخنے کہ میگویم از راہ منصفی درست میداند فکر اوائل را تمام شستہ الحال شستہ و رفتہ میگوید وطن بزرگانش نارنول است، سلامت باشد از دست

جب تلک نہ عشق یار و نہ دل ناکام تھا   اپنے تئیں کیا چین تھا اور دل کو کیا آرام تھا
بخشو مجھکو اُجھے لوٹا ہی میں نے بھول کر   دُزدِ دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا
وہ بیوفا تو مجھ سے ٹک ایک آج مل گیا   پر اپنے اختیار سے افسوس دل گیا
اُس قصے کو تو ہمدم کا ہیکو سُناتا ہی   وہ بھولی ہوئی باتیں کیوں یاد دلاتا ہی
کوئی دل سے مری پوچھی جیسا ہی وہ اے ناصح   گو تجھکو نہ خوش آیا پر مجھکو تو بھاتا ہی
کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہی   تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہی
جس کو تیر نگہ لگا ہوگا   ایک دم میں وہ مر گیا ہوگا
اُس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی   دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
ایک میں ہی نہیں اس کوچے میں جو جاتے ہیں   واں کی ہو رہتی ہیں گھر اپنے سے وہ جاتے ہیں
کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب لیکن   بھولے بھٹکے کبھی اس راہ کو ہو جاتے ہیں
بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں   چپکے بیٹھے ہوئے ایک ایک کا منہ تکتے ہیں
اُس شعلہ وش کو دیکھکے بیتاب ہو گیا   یارو یہ تھا تو دل ہی پہ سیماب ہو گیا
پھر ہجر ہے وہی وہی دن ہے پہاڑ سا   وصلِ صنم تو رات کو اک خواب ہو گیا
صبح تئیں کرتا ہے یہ دل اشکباری بیشتر   ہو سحر کو خانۂ ماتم میں زاری بیشتر

دل، تری بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار — بیوفاؤں سے رہی ہے مجھکو یارب بیشتر

میر ابوالحسن ولد میر عبداللہ، از اولاد بندہ نواز گیسو دراز، چون قبلہ گاہِ این فقیر از نبیسہ ہائے
بندہ نواز اند بنابرین یک رتبہ دادیِ ماہم بادی است، مولدش شہر کہنہ کہ در شاہجہان آباد مشہور است در
محلہ لال پنگ، از فیضِ صحبت خان عالیشان جانعالم خاں صاحب گاہ گاہی شعری و بیتے موزون می نماید
حق تعالی سلامت دارد، این یک قطعہ کہ بہ نگارش می آید الحق کہ مضمون تازہ یافتہ است از دست

ساکنانِ فلک نے کچھ تنہا — شہرت اس حسن کی نہیں ڈالی
مہ نہ بوجھو، ہجوم انجم سے — پھرتی ہے آسمان پر تھالی

علی نقی خان المتخلص بہ انتظار، بطرفِ عظیم آباد استقامت دارد، از احوالش معلوم نیست سلمہ اللہ تعالی

صدف مشتاق ہیں دریا میں، ای نیسان گوہر کے — یہ میری چشم پہ پھینکے ہیں بھر بھر خوان گوہر کے

اٹکل لیس شخصے بود بوقت احمد شاہ عجیب و غریب، ہرکس کہ پیش او شعر میخواند خواہ بیت
خواہ رباعی دوہرہ ہندی فارسی عربی، موافقِ الفاظہائے او فی البدیہہ بے معنی موزون میکرد
ہیچ تامل نمیکرد چون میگفتند کہ باز بخوان نمیتوانست خواند مگر بطور دیگر۔

آشوب تخلص شخصی است چیچک رو دراز قد، قدم در مسخرگی گذاشتہ است، پوچ و بے معنی و ناموزون
میگوید، مردمان خندہ میکنند بلکہ چیزہای چند میگویند چون کوشش کرد است خود ہم میخندد و مردم را بخندہ
می آرد، از وست

در عشق تری جیوڑی یہ مست مچا پچ — یہ پھرکی وہ دنا یہ غچ و غچا غچ

میر اولاد علی، اولا تخلص جوانے است ہندوستان زاد۔ بزرگانش از سادات بارہہ اند
طبع موزون دارد سلامت باشد، از وست

بہاں ہرچند بہلاتے ہیں میری دل کو براولا — ادا کس طرح مجھکو اس پری رخسار کی بھولے

محمد اشرف شخصی است از مردم مرشد آباد، بہ داروغگیِ اخبار فرنگی جان پرشوٹ صاحب سرفراز است
طبع موزونی دارد، یک بیت از نامہ گفتہ است کمتر ہندی، و بیشتر فارسی میگوید، خدایش سلامت دارد

آ بیٹھو تو دو باتیں کریں تم سے میاں ہم — پھر دیکھیے اک دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم

حرف الباء

اوّل از متقدمین | بیچارہ تخلص شخصے بود از سلکِ دکھنیان پیش عالمگیر خدایش بیامرزد، از وست ؎

پی سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں ہوا
جز صبر کچھ چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

میرزا عبدالقادر بیدل، شاعرِ زبردست وصاحب طرزِ فارسی، تعریف او در تذکرہ ہائے فارسی مسطور است بندہ راچہ یارا کہ شمۂ از احوالِ آن عارف باللہ رقم نماید، دو شعر ہندی ازان بزرگوار مسموع شدہ نوراللہ مرقدہٗ۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہم ہیں | اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا | پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہم ہیں

بسمل، تخلص شخصے بود، احوالش معلوم نیست لیکن این قدر میدانم کہ از متقدمین است از وست ؎

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ | ملاتا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں

ذکر متوسطین | دلاور خان شخصے بود از شاگردانِ میان یکرنگ، در عہد محمد شاہ غفراللہ لہٗ۔ اول ہمرنگ تخلص داشت بعد ازان بیرنگ نمود۔ خدایش بیامرزد، از وست ؎

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا | کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

محمد اسمٰعیل بیتاب، تخلص درویش دردمندے بود شاگرد میاں یکرنگ، از نشست بہنپ افتاد بیماری دست داد، آخر جان بحق تسلیم شد، خدایش بیامرزد، ؎

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل | تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
نہ جانوں کس پری رو کی نظر ہو | ابھی تو تھا مرا چنگا بھلا دل

بینوا، تخلص در اوائل سلطنت محمد شاہ در شاہجہان آباد آمد، ظریف طبع بود، در اکثر

قصبۂ سنام روزے در یکجائے با میاں آبرو، ملاقات کرد اوشاں کم التفات کردند گفت کہ اے میاں آبرو! مگر شما عین چشم شدن نمیدانید چوں، وشاں یک چشم نداشتند ایں لطیفہ بسیار مناسب افتاد مردمان بخندہ درآمدند، غرض عجب ظریفے بود خدا اش بیامرزد

از وست ؎

بیٹھا ہوں زکوٰۃ حسن کی دے اد میاں مالدار کی صورت

از مستعدان روزگار لالہ ٹیکچند المتخلص بہ بہار شاعر فارسی بود از اصطلاحات فارسی بسیار خبر داشت، از یاران سراج الدین علی خاں صاحب بود، تصانیف بسیارے داشت،

ایں چند بیت از وست ؎

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں	کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
سبھی کرتے ہیں دعوی خون کا قسمت سے دیکھیں تو	صفِ محشر میں ہو گا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا
نہیں معلوم کیا حکمت ہی ترشیخ اس آفرینش میں	ہمیں ایسا خرابا تی کیا تجھ کو مناجاتی
محبت کی قلمرو میں جو جاویگا تو دیکھیگا	کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

میاں بیان شاعر عذب البیان از خوش گویان زمان خواجہ احسن اللہ خاں المتخلص بہ بیان از تلامذہ میرزا مظہر جان جاناں، مولدش شاہجہان آباد، الحال معلوم نیست کہ کجاست چنانچہ از مشہور است، بسیار خوب گفتہ، رباعیات دلپزیر دارد۔ کلامش چوں تبسم گلرخاں نمکین پس بیانش چوں قند دلبران شیریں، بندہ از فکر او بسیار محفوظ است ہر جا کہ باشد سلامت باشد ما از وست ؎

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش ہم سے یار تھا	در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا
اس تجاہل پر ترا میں دیکھتا ہوں گور میں	وہ کہ جس کی چشم کا میں عمر بھر بیمار تھا ق
دیکھکر تابوت کو تیار دار وں سے مرے	پوچھنے لاگا کہ اس مردے کو کیا آزار تھا
عالم کو تاج زر گوہر دو تمنت دلوا دیا	بتا تو اے فلک کہ مجھے تو نے کیا دیا
نہ دین ہی کا ملاح نہ دنیا کی کچھ خبر	اس عشق نے غرض ہمیں سب کچھ بھلا دیا

ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے نیند کے
خواب عدم سے کاہے کو مجکو جگا دیا

کس قدر تجھ سے دل خفا ہوگا
کہ ترا شکوہ بہر کیا ہوگا

جنگ پر لوگ جس کی لڑتے ہیں
صلح میں اُس کی کیا مزا ہوگا

کوئی کسی کا بیان آشنا نہیں دیکھا
سوائے اُس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجکو
انھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت نہ ہوئی تو کیا
سُرخ و سفید ماٹی کی مورت نہ ہوئی تو کیا

رو کر اُس سے میں کہا مرتا ہے یہ بیمار آج
مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج

مری بساط ترے آگے یار ہے موجود
دل شکستہ و جان نزار ہے موجود

ہمارا ضعف بصارت ہے مانع دیدار
وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہے موجود

ادھر تو دیکھوں ہوں منہ اپنا اور اُدھر رخ یار
بیاں یہ طرفہ خزان و بہار ہے موجود

یکبار فوج غم کی پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر
لیگئی قرار و صبر و دل و ہوش لوٹ کر

لینا اگر ہے دل کو تو لے بھی اسے کہیں
سینے میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر

کر آپ کو اس قدر فراموش
ہو یاد سے پاؤ سر فراموش

گو سب نے مجھے بھلا دیا ہے
پر تو تو مجھے نہ کر فراموش

کیا ایسے سے درد دل کو کہئے
ادھر تو سنا اُدھر فراموش

جہاں روؤں تمنا میں تری اے شمع رخ یارے
اُگیں اُس گلزمیں میں حشر تک جوں لالہ انگارے

قمار عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے
اُسے کہتے ہیں جیتا جو کوئی یاں نقد جاں ہارے

آنسوؤں تک پونچھنے کی غیر کے تدبیر ہے
مجھسے اتنا بھی نہیں کہتا کہ کیوں دلگیر ہے

چرخ کی بوالہوسی سے یہ تعجب ہے بیاں
لیلیٰ و مجنوں کی یکجا اب تلک تصویر ہے

شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے
یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ جان جاتی ہے

کیا ہے عجز نے میرے اُسے بیاں مغرور
مری وفا اُسے جور و جفا سکھاتی ہے

جا کہو کوئے یار میں کوئی — مر گیا انتظار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا — سر رکھے اس کنار میں کوئی

کیوں بیاںؔ سیر باغ کی رخصت — نہیں دیتا بہار میں کوئی

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی — ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

کیدھر ہے کہاں ہے خوشدلی تو — ہم سے کبھی تو آشنا تھی

مارا ہے بیاںؔ کو جس نے اے شوخ — کیا جانیے کونسی ادا تھی

رسوا ابھی سے کرتی ہے اے چشم تر مجھے — آنا ہے اس کی بزم میں بار دگر مجھے

آیا ہوں اس گلی میں ابھی دم نہیں لیا — پھر لیے چلا ہے یہ دل وحشی ادھر مجھے

کنج قفس سوا مری قسمت میں جا نہ تھی — تو کیوں دئے فلک نے بیاںؔ بال و پر مجھے

قطعہ

تھا حکم شرم عشق کہ ہرگز نہ رو بیاںؔ — گو ضبط گریہ سے نہ تپ ہجر کو کل پڑے

بھر عمر ہم نے ضبط کیا لیک وقت نزع — بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گزر جائیگی شب بھی

آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہے — سی دیجیو ٹک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی

اب ہجر میں کہتا ہے کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہی بیاںؔ میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی

جھگڑتے تجھ سے تو پیارے حجاب آتا ہے — وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے

پیو شراب جوانو کہ موسم گل ہے — ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے

تیغ چہرہ اس کی سان پر آئی — دیکھیں کس کس کی جان پر آئی

کیجیے عرض حال کو کچھ ہو — نہیں رہتی زبان پر آئی

غیر کے آگے دل کی بات بیاںؔ — آہ میری زبان پر آئی

اپنے دل سے بھی عداوت ہو گئی ہے اب مجھے — دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہے تجھے

اے سرو قد کا مجھ سا خریدار کون ہے — آزادگی کا اپنی گرفتار کون ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں منہ سے بول لے ۔ اے بے نصیب مانع گفتار کون ہے

ہو تو بھی چرخ اُس ستم ایجاد کی طرف ۔ کافی ہے پاس اس دل ناشاد کی طرف

جانے دے مجکو اے ہوس سیر گلستاں ۔ اب اس چمن سے اپنے غم آباد کی طرف

ہو دیگا ذوق حسرت دیدار میں خلل ۔ شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

تمنا بادشاہی کی کسی سفلے کو دے گی ۔ مرے دل میں گدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہوں

یارو تمھاری دوستی سے یہ بعید ہے ۔ میں یار سے بعید ہوں کیسی یہ عید ہے

کوئی جز قیس دِوانہ نہ ہوا لیلیٰ کا ۔ میں ترے عہد میں دیکھوں ہوں جدا مجنوں کر

عالم میں گو کہ عشق نے رسوا کیا مجھے ۔ لیکن تجھے تو شہرۂ آفاق کر دیا

رباعیات

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا ۔ عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا

غنچوں سے صبا کہیو کہ آہستہ کھلیں ۔ زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

دیگر

اب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری ۔ سب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری

پہلے کہہ لو کہ میں نہ مانونگا برا ۔ تب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری

دیگر

مت کہیو بیاں جام اجل پیتا ہے ۔ یا اُس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے

یارو جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ ۔ اتنا کہیو کہ اب تلک جیتا ہے

دیگر

کیا زلف میں اُس شوخ کی ہے دبکی صبح ۔ یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح

ٹک زلف کو میں ہاتھ لگا یا کہ اُدھر ۔ ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

دیگر

سو طرح سے یہ عشق لبھاتا ہے مجھے
ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہے مجھے

کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب
ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

دیگر

دنیا سے بیاںؔ چلا ہوں روتے روتے
گزری اپنی شب عمر سوتے سوتے

ظلمات میں تھا آب بقا پر افسوس
روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

دیگر

کہتا ہوں جناب حق میں ڈرتے ڈرتے
مدّت گزری دعا ہی کرتے کرتے

ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاںؔ سا محروم
منہ یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

سنتو کھ راے متخلص بہ بیتابؔ، از تذکرۂ قائمؔ معلوم شد کہ کم رمغ و خلوت دوست بود، معلوم نیست کہ الحال کجاست، دران زمان زور طبعش بروز مانند ہلال در ترقی بود و ربط کلام را خوب می فہمید، خدایش زندہ دارد، از وست ؎

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم

اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہم نشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہمیں دکھ دیں ہم اُن کو اس طرح چاہیں

ادھر نالہ کیا اودھر وہ مضطر ہو چلا آیا
عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں

سبزے پہ اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک
اُس گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں رہے

جی میں ہے اُس کی بات میں، پھر نہ بولنے
لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

محبت اب تلک رہتی ہے یہ تاثیر جنوں کی
کہ بن لیلی کہیں کھنچتی نہیں تصویر مجنوں کی

یہ کیا خلل نہ اٹھائے فلک کے کینے سے
کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے

تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھو بے رحم
کہ سنگ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

عشق میں گاہے عَسل گہ نیش ہی　　بنت نیا یاں ماجرا دیکھا ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے　　نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے　　مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر　　اس ہوس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

میاں محمد علی المتخلص بہ **بیدار**، جوان محمد شاہی است از شاگردان مرتضیٰ قلی بیگ کہ شاعر فارسی گو بود و فراق تخلص مینمود، قریب چہاردہ سال شدہ باشد کہ فقیر او را در لباس درویشی در شاہجہاں آباد دیدہ بود، طبع دردمند داشت، باریک منحنی، بزیور حلم و حیا آراستہ، معلوم نیست کہ الحال کجاست، از وست، **ـــہ**

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہی تیرے دنداں کو　　کیا تجھ لب نے ہر رنگ خجالت لعل و مرجاں کو
دیکھ تجھ کاکل مشکیں کی ادائیں شانہ　　دونوں ہاتھوں سی لیتا ہے بلائیں شانہ
چھوڑ کر کوئے بتاں جاتا ہے تو کعبہ کو　　جلد پھریو تجھے بیدار خدا کو سونپا

از احوال متاخرین فاضل بے کمال دعالم بے مثال فضیلت مآب شاہ **علیم اللہ** الہ آبادی المتخلص بہ **مبتیاب**، حالا در خانۂ او مشاعرہ میشود، شاعر فارسی است، از برائے خاطر ریختہ گویان گاہ گاہے دو سہ بیت میگوید، از کلامش در یافت خواہد شد بسا بزرگ است، دام افضالہ

دل چھین لیا میرا بنارس کے بتوں نے　　اس وقت میں تو اے مرے اللہ کہاں ہے
جب قرص مہ کا آئنہ لاتی ہے چاندنی　　صورت کسی کی یاد دلاتی ہی چاندنی
نگیں کی طرز یہ کیا سخت مجکو بھاتی ہی　　کہ ایک نام کی خاطر جگر کھداتی ہی

غنچۂ بوستان وفا سرو موزون باغ صفا شیخ **محمد بقا اللہ** المتخلص بہ **بقا** ابن افضل اللہ کہ در لکھنؤ مشہور اند، جوانیست بکمال خوبی، خوش فکر و خوش اندیشہ، در شعر فارسی از شاگردان

میرزا فاخر مکین سلمہ اللہ تعالیٰ، لیکن شوق ریختہ نیز دارد، با فقیر صحبتہا گرم داشتہ است خدا سلامت دارد۔

یاد میں تڑپے ہے دل کس بد خمار کی — آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیمار کی
کیا تجکو لکھوں خط ہاتھ سے حرکت گم ہے — خامہ بھی مرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے
کل دست تعصب سے جوں توں مجھے چھڑایا — شیشے سے میری خاطر اپنا گلا بندھا یا
یہ گل اندام جو صرف سے ٹک اک ناز کریں — کام لیں زلف سے کاکل کو پس انداز کریں
دیکھیے منصب مجنوں پہ یہ لیلیٰ صفتاں — خاک میں ہم کو ملا کس کو سرافراز کریں

بسمل تخلص گدا علی بیگ۔ سپاہی پیشہ جوانے است ابلہ رو نیک خو۔ در فیض آباد استقامت دارد۔ دینوک نامہ (دیمک) از و مشہور است، دیگر شعر ملبندش بسمع نرسیدہ خدایش سلامت دارد۔

از دینوک نامہ

جب کہ دینوک کی فوج چلتی ہے — زلزلہ سے زمیں دہلتی ہے
وہم دینوک یارو اب کے سال — ہیں ستارے بھی آسماں کو زوال
در و دیوار گلشن و محفل — ہینگے دینوک کی خاک سے کہگل
ہینگے اک مہربان عالیشان — سنیے اس ماجرے کا ان کے بیان
کہیں دینوک نے یہ کیا ہے خلل — جیسے کچھ ان کے گھر میں دی کوہل
دیکھیے دس تقچہ کی اگر صورت — تو نظر آئے خاک کی مورت
مشر و محمودی بانتوں سنہ تھان — کتریں ہیں اس قدر بہم یکساں
ہوئے گر ان کے نقش کی تمثیل — ہے نے یک جا رکا ہزہی قندیل
ان کی سند کی کیا کروں تقریر — نقش ہے روئے خاک پر تحریر
چاندنی کو اگرچہ سمجھو آب — پھر جو معلوم ہو تو نکلے سراب

تھا جو قالیچہ مثلِ گل لالا — اس سے بہتر ہے مکڑی کا جالا
یہ ستم ہے کہ ایک تھی پوشاک — نہیں ثابت وہ بنیں گے کیا خاک

در تعدیِ دیبوک میگوید

دیکھ لو تم بھی اتنا کرکے سراغ — مہ کے سینے میں دیبوکون کا داغ
ذرے کے دام میں نہیں خورشید — دیبوکون نے اُسے کیا ہے چھید
آگے اب اس سے کیا کہے مشعل — جیسی دیبوک سے اُنپہ ہے مشکل
ڈرے دیبوک سے وہ جیبے شال — یاں تو اب کسکے خصیوں پہ ہی بال
اُنگ کے زیر و لُنگ کے بالا — نے غمِ دزد و نے غمِ کالا

حرف الباءِ فارسی

از سلک متوسطین اشرف الدین علی خاں پیام، شاعر فارسی بود، صاحب دیوان، در عہد محمد شاہ غفراللہ لہٗ۔ ریختہ نیز بطور ایہام کہ رائج آں وقت بود میگفت اصل از اکبرآباد است از مدتے وفات یافت او تعالےٰ رحمت کناد ازوست ؎

بات منصور کی فضولی ہی — ورنہ عاشق کو آہ سولی ہی

قطعہ

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتلِ عام کیا

شاہ پنچھا آزاد فقیرے بود در شاہجہاں آباد، کاغذ و قلم ہمراہ داشت ہر جا کہ می نشست میگفت و می نوشت، ہم فارسی و ہم ہندی ؎

دل مرا اگر دلبِ یار کے منڈلاتا ہے — یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

حرف التاء

اول ذکر متقدمین میر عبداللہ **تجرد** تخلص از شاگردان سید عبدالواسع است قدیم است، احوالش معلوم نیست، از وست

تجرد میں لطف ہے نہ ملک کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اسکی فلک کو خبر نہیں

ذکر متوسطین ابوالحسن **تانا شاہ** رحمۃ اللہ، از پادشاہان دکن بود در کمالِ عیاشی بسر برد این مطلع ازیں شنیدہ شدہ بزبان دکن

کس وہر کہوں کان جاؤں میں مجھ لیہیں کہیں ہے — ایک بات کیے ہونگے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

میاں صلاح الدین المتخلص بہ **تمکین**، درویشے بود در وقت فردوس آرامگاہ، بہ کسے کار نداشت، بہر نوع اوقات بسر می برد، ایں مطلع از وگوش خوردہ

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا — مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا

میاں عبدالحئی المتخلص بہ **تاباں** در وقت محمد شاہ پادشاہ مشہور و معروف است در وقت خویش نظیرے نداشت سید زادہ بود بکمالِ حسن و وجاہت تمام عالم فریفتۂ حسنِ او بود بلکہ گرم بازاری ریختہ ازاں شعلہ رو دو بالا شد اکثر اشخاص ایں فن را وسیلہ ساختہ دخیلِ صحبتِ او میشدند، شاعرِ بامزہ و رنگیں طبع بود چہرہ کلامش با حسنِ یوسفی و احسن القصص بیانش باگرمیِ عشقِ یعقوبی، عاشقِ معشوق مزاج بود، با طفلے **سلیماں** نام تعشق داشت شراب بسیار میخورد چوں ہفت ہشت روز از حیات او باقی ماند توبہ کرد از انکہ بسبب کثرتِ استعمالِ شراب مزاجِ او شدہ بود از گزاشتنِ او از خود گزشت، غرض آفتابِ تابانِ عمرِ او در شروعِ شب جوانی نہاں گردید، خدایش بیامرزد

اغیار کو جیدار اکہیں دیکھے سمجھا — **تاباں** تو تہِ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

جب یار مرا بگڑا خط آنے سے ای تاباں — تب حسن کو میں اسکے کریا دبہت دیا

دیکھ اسکو خواب میں جب آنکھ کھلجاتی ہے صبح
کیا کہوں کیسی قیامت مجھ او پہ لاتی ہے صبح

پاس تو سوتا ہے جنچیں پہ گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح

خزاں تک تو رہنے دے صبا دہم کو
کہاں یہ چمن اور کہاں آشیانا

ترے غم سے نسیاں ہے یاں تک تو مجکو
ادھر بات کہنا ادھر بھول جانا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا

لیا تھا دوستی سے جس نے جی آہ
وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا

نہیں اک لمحہ بیتابی سے فرصت
الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا

ہمیشہ رات کو غیروں کے رہنا
پھر آکر صبح کو یوں ہم سے کہنا

جو یار آیا تو میں دو نگاہ رکھائی
تم اے آنکھو کہیں مت پھوٹ بہنا

عجب احوال ہے تاباں کا تیرے
کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

تمہارے ہجر میں رہتا ہے ہم کو غم میاں صاحب
خدا جانے جئیں گے یا مرینگے ہم میاں صاحب

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا ہیہات
دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہاتھ

غیر کے ہاتھ میں اس شوخ کا داماں ہے آج
میں ہوں اور ہاتھ ہے اور میرا گریباں ہے آج

ہم کو تم بن ایکدم اے جان جینا ہے محال
تم تو ہوتے ہو جدا لیکن ہمارا کیا علاج

مجکو غرض ہی نہیں کسی آشنا سے شوخ
کوئی مرے کوئی جیے تیری بلا سے شوخ

بتاں کے عشق میں ہیں کیوں نہوں شاد
کہ اُن کو دیکھ آتا ہے خدا یاد

لے دل کی خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہیے
پر جو کچھ جی چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے
آہ یہ چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے

عاشق نے وقت مرگ کہا یار سے یہی　　تجھ کو لگا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی

تاباں نے تجکو دیکھتے ہی اپنا جی دیا　　سنتے نیا یا تیری نہ اپنی ہی کچھ کہی

گیا میں فرض کہ محشر کے تئیں اچھے بخشیں　　جو تو نہو وے تو فردوس بھی جہنم ہے

نہ وے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے　　تجھے بے مروت مروت کہاں ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی　　مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ رہ　　اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

ترے ابرو کو نہ چھوڑے گا مرا دل ہرگز　　گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو مے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے　　ترا بیہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر نا پرساں میں کب کوئی داد کو پہنچے　　مگر یاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے　　ولیکن حق تعالے کی نہیں تقدیر پھرتی ہے

سلیماں کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجکو　　مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

کہتے ہیں اثر ہیگا گریہ میں یہ ہیں باتیں　　اکدن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں

کر یاد تری ظالم روتا ہوں میں ہر ساعت　　غصے کا وہ ٹھکرانا اور پیار کی وہ لاتیں

ہونٹوں پہ تیرے ظالم مستی کی یہ دھڑی ہے　　یا انکے تئیں کسی نے مل مل کیا ہے نیلا

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی　　بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجکو خمار شب کا لا صبح ہوئی　　شیشے میں جو کچھ کہ مے ہو باقی ساقی

سید نجیب الطرفین از مرثیہ گویان حضرت ابا عبد اللہ الحسین سید محمد تقی عرف میر گھاسی فقیر ادرا ندیدہ لیکن اکثر اوصاف آں بزرگوار شنیدہ مولدش شاہجہاں آباد حال بطرف فرخ آباد استقامت دارد گاہ گاہے فکر شعر ہم میکند از وست

تو ہوا در باغ ہوا و زمزمہ کرنا بلبل　　تری فریاد سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

ترے عتاب سے کس دن یہ رنگ دنہ اڑا — کہ مرغ روح مرا اُس کے دید ونہ اُڑا
مرے ادب نے رکھا مجکو یاں تلک محروم — کہ بعد قتل بھی دامن طرف لہو نہ اُڑا

رباعی

تجھ ہجر میں اے لشکر خوباں کے شاہ — سینے پہ مرے غمسے ہی یہ حالت آہ
جیسے رکتی ہے پل پہ دریا کے بھیڑ — پیچھے کو نہ پھر سکے نہ آگے کو راہ

حرف الثاء

دریں فصل از متوسطین ثاقب تخلص مردے درویش گزشتہ است، از شاگردان میاں آبرو، درا داخر شعر خود پیش خاں آرزو میگزرانید ازوست ؎

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا — یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

شجاعت اللہ خاں از شاگردان میاں حسرت است ثابت تخلص دارد، از متاخرین است نبیرۂ نواب شیر افگنخاں نبیرۂ نواب دل دلیرخاں، اصل ایشاں پانی پت کہ قصبہ است متصل شاہجہاں آباد پیشتر گاہ گاہے فکر شعر داشت الحال از مدتے راغب بانیکار نے شود خدا اش سلامت دارد ؎

یہ سچ کہو کہ کیا کس نے بدگماں تمکو — غبار میری طرف رہے اے بتاں تمکو
ہم آپ جانتے سو اُس سے عرض کر دیتے — ہمارا حال یہ کہنا تھا دوستاں تمکو

میں ہوا کل جو یار سے رخصت — نہوا اختیار سے رخصت
مثل بلبل کے مرگیا ثابت — ہوتے ہی گلعذار سے رخصت

کیا ہی بے اختیار روتا ہوں — جس گھڑی مجکو یاد آتی ہو
آتے ہو دن میں تم تو کئی بار اس طرف — پر دیکھنے نہیں کبھی اے یار ایدھر وت

دیناتھ سنگھ محرر دلپزیر دمورخ بنظیر صاحب کمال ہے مدن بفتا دسال از معتقدان

خواجہ میر درد است و در علم تاریخ چناں فکرش رساست کہ اکثر قصائد دارد کہ در ہر مصرعش تاریخ مصدق بر می آید بہ فرمائش یاران تاریخہا بسیار گفتہ است با فقیر بسیار آشناست سرورت باشد تاریخ چاہ گفتہ مصرع

آب ازیں چاہِ بے نظیر برآر

تعمیۂ آب بسیار مناسب افتادہ کہ بہتر از بے تعمیہ گردیدہ۔

حرف الجیم

جنون تخلص اکبرآبادی از قدیم است دیگر احوال بگوشش نرسیدہ ازوست

تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا	پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا
کہ پتھر بھی نہیں سر کا خریدار	جنوں کا یاں تلک ہی گرم بازار

از احوال متوسطین میر جعفر زٹلی نادرہ زماں داعجوبہ دوراں بود اعلےٰ وادنےٰ ہمہ کس از و ملاحظہ میکردند از بسکہ درں زمانہ عالم غیرت داشت چیزے میدادند وزبانش بند میکردند الحال اگر کسے درہجو کسے بگوید مدح خود می شمارند غرضیکہ میر مذکور در مدح وقدح بطور خود خوب میگفت۔ در مدح اعظم شاہ گفتہ

ہمیں اسم اعظم در و کندہ بود	نگین سلیمان کہ تابندہ بود

نقلست کہ روزے پیش میرزا بیدل رفت میرزا در فکر مصرعے مصروف بودند ملتفت نشد پرسید کہ صاحب وقبلہ کدام مصرعے فرمودہ اند گفت بلے وآں ایں مصرعہ بود ع لالہ بر سینہ داغ چوں دارد۔

میر مسطور گفت در ایں تامل چیست ع

چہ۔ بکے سبز زیر کوں دارد

مرزا ازیں معنی بہم برآمد و چیزے دادہ رخصت نمود خداش بیامرزد

این مثنوی از دست ۵

شنو اے طوطیِ روحانیِ من	نہ کر الفت بہ رنگیں پنجرۂ تن
نہ تو یاں سے نہ یہ پنجرا رہیگا	بُلا کر لاں تجھکو کیا کہے گا

جعفر بوستانِ جہاں دم غنیمت است شادی نصیب اگر نشود غم غنیمت است

خان عالیشان جعفر علی خاں ولد مرزا مومن بیگ جوان محمد شاہی،

از متوسلانِ نواب عمدۃ الملک امیر خاں بود یا دشاہِ عالیجاہ محمد شاہ رحمۃ اللہ بہ منصب سہ ہزاری سرافراز نمودہ بود در ذیلِ اُمرایانِ مشہور بود، ذہن و ذکا وطبع رسا داشت، سوائی رام راجہ پر و تعشق داشت چنانچہ این مثنوی در عشق او گفتہ مشہور است۔

الٰہی شوق سے دل کو جلا دے	برہ کی آگ تن من میں لگا دے
جلا جوں پھلجھڑی مجھ ناتواں کو	شرر لبریز کر ہر استخواں کو
فنا کر عشق میں یوں جان بیتاب	کہ جوں آتش میں کھپ جاتا ہے سیماب
وحدت کی آتش سے دوئی کو	کہ بس ہے ایک چنگاری روئی کو
محمد باعثِ ایجادِ امکاں	کہ جس کے واسطے آیا ہے قرآں
مقرر ہے کہ بزازِ دکاندار	دکھاوے جنسِ اول آخر کار
اسی سے جان رفع اُسکا پایا	کہ سب پیغمبروں کے بعد آیا
علی ہے شاہ اور رنگِ ولایت	شریعت کا معین دین کا حمایت
ہوا کعبے سے نور اُس کا نمایاں	کہ جوں ظلمات سیتی آب حیواں
کیا معراج پر شیرانہ دھاوا	لیا افلاک پر چڑھ کر چڑھاوا
رسالت کی گرداب سیر گھر کا	بنا ہے زندہ ایوان پایۂ در کا
قضا کے راج کی صنعتگری دیکھ	نبی کے گھر کی یہ ابرادری دیکھ

نبی کی آل پر سے وار جانا | اِسی بارہ پلی سے پار جانا
خدا تک اب پہنچنا کیا ہے مشکل | کہ بارہ کوس کی ہی ایک منزل
اگر قمید حکمت آشنا ہے | اسی نسخے میں چودہ بڈیا ہے
صفا اسکے بناگوشوں کی دیکھ آن | خجالت سے رہے موتی پکڑ کان
زبس گلبرگ لب میں نازکی ہے | کٹورے میں پیئے ہی پھول کی نے
بگولا گرہوں کا رہنموں سے ہے | نشانِ لشکرِ اہلِ جنوں ہے

ایں مثنوی حقہ بہ فرمایشِ فردوس آرامگاہ از اول چند بیت گفتہ وبعدہ میاں حاتم با تمام رسانیدہ اینست۔

تماکو کو نجانو کیا سبب ہے | ملا ہے گڑ سے اور کیونکر طلب ہے
طلب گڑ کی اُسے ہے اس سبب سے | ملا وے گڑ اُسے پیارے کے لب سے

از اشعار اوست ہ

ملبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی | ناصح کیوں نہو وے چمن میں جیا پٹی
آ مجھ میں نین پُس کہ بنا ہے ترے لیے | یہ خیمہ سیاہ وسفیدِ پٹا پٹی
خاک رہی پرنہ کر موذی کی سرگز اعتبا | جونک اِتی ہیں ملے تو بھی لہو پیتی رہے
عشق میں بلبل کا کیا نسبت ہے پروانے کی ساتھ | وصل مرجاے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے
پر وے کیونہ ہر اک بات میں موتی وہ ہنسی | صفا دانتوں کی روشن ہی شب ہنسی نین ہنسی
ہم نو کھوجی بجھو کے کاروان و منزل رہ گئے | خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جا نکلے بہکے

مرزا احمد علی "چراغِ بزمِ آشنائی وشمعِ انجمن آرائی تیغِ شجاعت را جوہر و کانِ مروت را گوہر مرزا احمد علی المتخلص بہ جوہر مردے بود درنہایت خلق و اخلاق در صحبت دار دیار باشی بیانانک وحیت و درکار آشنائیہا درست، از زبانِ شیخ اسرار اللہ سلمہ اللہ شنیدہ کہ اکثر مجمعِ شعرا در خانہ او میشد، اصلش از ایران بود،

مولد وے شاہجہاں آباد، طبع موزوں داشت، اکثر فارسی میگفت مگر ہمیں غزل ریختہ از
بہ یادگار ماند کہ قلمی خواہد شد، میگویند کہ بایکے از آشنایانِ او جائے خانہ جنگی رو
داد این خبر شنیدہ در معرکہ در آمد و سہ را کشت و خود نیز کشتہ شد، غرضکہ تا جان از
یاران دریغ نکرد، خدایش بیامرزد از وست ؎

آتش زدہ چمن ہو یا برق آشیاں ہو — اے مرغ نالہ کچھ ہو کیشب تو پرفشاں ہو
شاید کہ پہنچے تجھ تک واماندہ کوئی ہم سا — آوارۂ بیاباں اے گرد کارواں ہو
گر ہو سکے ہے تجھ سے اٹھ اے غبارِ مجنوں — ناقے کے ساتھ تو بھی اک دو قدم رواں ہو
اتنا لب و دہاں تو جو مہر ہو عاشقی میں — منہ پر تو ہووے نالہ اور زیر لبِ فغاں ہو

میر مستقیم سیدزادۂ عالی ہمت المتخلص بہ جرأت، از جوانان محمد شاہی است
بندہ او را در صغر سن بہ شاہجہاں آباد دیدہ ام، بسیار خوش رو بود کہ بے اختیار دل
را مے ربود و حالا شنیدہ ام کہ بطرف پورنیہ بہ لباسِ درویشی بسر می برد، سلامت باشد
از وست ؎

ہر بنِ مو سے مرے شعلہ نمایاں کر دے — دل تو جلتا ہے پر اب سے وہ چراغاں کر دے
جاؤں صحرا میں دوانوں میں مری عزت ہو — اپنے ہاتھوں سے مرا چاک گریباں کر دے
کون گلشن میں یہ بو مشک کی لے آتی ہے — کہتے ہیں زلف کے کوچے میں صبا جاتی ہے

میاں رمضانی بولان تخلص، جوان محمد شاہی کماندار بے نظیر بود دیگر احوالش
معلوم نیست ؎

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن — جیوینگے ہم سے شخص کیا تجھ بن

از احوال متاخرین | میر علی ہندا، شاگرد شاہ فصیح، جنون تخلص، از متاخرین است
احوالش معلوم نیست کلامش بجز این نیافتہ ؎

رقیبوں کے گھروں میں ہائے کیوں وہ شوخ جاتا ہے — لڑوں جا کر رقیبوں سے یہی اب جی میں آتا ہے

حمام آلودہ با تا نیند کا ب غیر صحبت میں ‌‌‌‌ ‌ صرِ سیارات تو جاگا ہی کیوں بانس بنا تا ہی

میاں حکّن خالہ زادۂ شیر افگنخان، دعوائے شاگردیِ میر تقی مے نماید از مشاہیران

نسبتاً الیش سلامت دارد ؎

ایدل مریضِ عشق کو آزار ہے بھلا ‌ ‌ چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہے بھلا

میر مظہر علی المتخلص بہ جذب در عظیم آباد استقامت دارد گاہ گاہے فکر ریختہ مینماید

سلامت باشد ؎

ہے جنوں کا زور طوفاں اندنوں ‌ ‌ میں ہوں اور میرا گریباں اندنوں

میاں محمد روشن المتخلص بہ جوشش ۔ مرد یست ساکن عظیم آباد خوش طینت

و نیک اعتقاد شاعرِ شیریں کلام صاحب دیوان، از خاصان آن دیار است بندہ

با وے ملاقات نکردہ، از سبب بُعد اشعارش نیز بہ فقیر نہ رسیدہ مگر چند بیتے، از

زبانیِ مرزا فدوی سلمہ اللہ شنیدہ بودم بہ نگارش می آید مشتے نمونہ از خروارے،

خدا ایش سلامت دارد ؎

توانائی جدا کرتی ہی اب آغوش سے مجکو ‌ ‌ کرامت دیکھو اے ناتوانی دوش سے مجکو

دل میں ہی اب قرب میں آئینہ سا پیدا کروں ‌ ‌ وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اُسے دیکھا کروں

جون آئنہ یہ رستم رسیدہ ‌ ‌ رہتا ہے مدام آب دیدہ

ہیں داغ میرے جز و بدن جون پرطاؤس ‌ ‌ مخلوق ہوا اس دہر میں ہم پیکرِ طاؤس

کلامش شاعرانہ است شخصے میگفت کہ او در تالیفِ تذکرہ مشغول است ۔

خاں عالیشان بلند مکان برادر زادۂ نواب روشن الدولہ مغفور ولد مفتخر الدولہ

جانعالم خان، بحرِ ذخارِ طبعش از گوہر نثر و نظم لبریز و افکارِ صدفِ معانیش چون دیدۂ

عشاق جواہر ریز، گوہرِ طبعش از چشمۂ خورشید آب خوردہ سُہیلِ خلقش از زلف نکویان تاب

بردہ سخنش بیحساب شعرش چون دُرِّ یتیم نایاب، در اوائل مشقِ سخن از میر سوز

نمودہ در غزل تخلص می آرد محتاجِ شہرت نیست قابل و قابل دوست، خدایش سلامت باکرامت دارد از وست

لگا خوبانِ نوخط سے یہ ملنے | گھسیٹا یہ رے مجھے کانٹوں میں دل نے
چھوڑ عارض دل نے گھیرا زلفِ مشکیں فام کو | صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

میاں قلندر بخش المتخلص بہ **جرأت**، از شاگردان میاں حسرت، جوانیست چیچک رو خوش خلق و نیکخو، کلامش نمکین و بیانش شیریں، دستگاہِ شعورش چون دلِ صاحب ہمتان فراخ و گلزارِ معانیش چون میوۂ آرزو شاخ در شاخ، اصلش از شاہجہان آباد، نشو و نما در فیض آباد یافتہ، شوق شعر از حد زیادہ دارد اگرچہ پارۂ در علم موسیقی و ستار نوازی نیز دستے بہم رسانیدہ لیکن انچہ گوید دیوانہ فن شعر است کہ گاہے بفکر نمیماند بسیار دردمند و گداز است، مثنویِ ہجو برسات و کھٹمل نامہ ہم گفتہ درین نوجوانی بسیارے بحلم و حیا بسر می برد، خداش سلامت دارد

کیا سحر کیا ہے یار دل کو | تجھ بن جو نہیں قرار دل کو
آنے کی خبر ہے اسکی لیکن | آتا نہیں اعتبار دل کو
تب زخم تو اسکے بھرنے پاویں | جب صبر ہو اس فگار دل کو
نالہ و آہ و فغاں میرا ہی دم بھرتے ہیں | آپ کا جان کے سب مجھپہ کرم کرتے ہیں
ہے عین ہجر ہی میں میسر وصالِ دوست | اب کچھ خیال دل میں نہیں جز خیالِ دوست
سب سے ملتا ہے وہ ایک ہم سے ملاقات نہیں | آہ کیا کیجے دم مارنے کی بات نہیں
وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے | جبکہ آواز یہ آتی ہے کہ اب رات نہیں
اُس کے کوچے میں گئے یا نہ گئے ای ہمدم | ہی مساوات ہمیں دل کو مساوات نہیں
اپنا میں دردِ دل اس طور جتا رہتا ہوں | حسب حال اس کو کوئی شعر سنا رہتا ہوں
بات میں کس کی سنوں آہ کہ اے مرغ چمن | شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں — تو کرے غیروں سے باتیں، ہم دیکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ — چشم حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں
ہم کو اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے — سب پیچھے چمن کے فراموش ہو گئے
بے چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا — دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا
صیاد نے جفا تو یہ ایجاد اور کی — پر میرے کاٹے اور سنی فریاد اور کی
جرأت ذلیل ہو چکا مارا ہی جائیگا — اب کے جو اس نے پھر کہیں فریاد اور کی
کیوں مکرتا ہے جو کچھ ٹھانی ہے تو نے دل میں — سب مرے جی پہ عیاں ہے تجھے معلوم نہیں

جلال الدولہ جلال الدین وکیل مرہٹہ مشیر نواب عماد الملک، از دست ؎

ماہرو مسند پہ بیٹھا جب سے دل بیتاب ہے — چاندنی کے فرش پر کیا عالم مہتاب ہے

حرف الحاء

اول احوال متقدمین | حبیب و حسن تخلص از خاک دکن بودند اکثر اشعار اینہا در بحر کتب بنظر آمدہ چوں الفاظش ربط بیکدیگر نداشتند نقلم نیاورد،

حیا، تخلص ہم کسے گذشتہ است چند شعر در سلک متوسطین دیدہ شد اغلب کہ زن باشد احوالش معلوم نیست و نیز بے ربط میگوید، از دست ؎

حیا کی تلخ کامی کا یہ قصہ — مفصل جا کہو شیریں سخن کو

احوال متوسطین | شیخ محمد حاتم المتخلص بہ حاتم، شاعریست صاحب کمال و پسندیدہ افعال، عالی فطرت و بلند ہمت، معاصر میاں آبرو، دو دیوان ترتیب دادہ یکے بزبان قدیم بطور ایہام، دوم بزبان حال ادائیہ، شہرۂ اشعارش بسیار است اکثر نغزہائے او را نغمہ سرایان ہند میخوانند، تا حال در شاہجہان آباد مقیم است از وست ؎

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے — کیا ہے جنسے اس جگ سے کنارا

ہجر کی زندگی سے موت بھلی — کہ جہاں سب کہیں وصال ہو!

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے — بوریا کا نقش ہم پہلو مرا

حاتمِ بیکس کا تجھ بن کون ہے — کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل — بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کبھو تو — کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد — کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد

جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک — تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو — آج تک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

شانہ کبھو زلف میں زنہار دیکھنا — بہنوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا

سید حاتم علی خاں حاتم تخلص، ایشاں از سلکِ متوسطین است، مولدش جونپور شاگرد میاں مضمون بودہ است خدا بیامرزد ؎

شاید محبت ابکے زمانے میں ڈوب گئی — آتی نظر نہیں جو کسی آشنا کے بیچ

حشمت، عالی ہمت و بلند فطرت سید محتشم علیخاں المتخلص بہ حشمت، ولد میر باقی، سپاہی پیشہ عمدۂ روزگار بود۔ برادر خرد میر ولایت اللہ خاں، ریختہ درسی ہم میگفت، فہمیدہ و سنجیدہ متواضع مؤدب، آخر روزگار ترک نمودہ خانہ نشین بود ناگاہ فوراً فوت شدہ از دست ؎

نکہتِ گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ — پھر یہ زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دوانوں کی خبر لو — اگر زنجیر کرتا ہے تو کر لو

این واسوخت از مشہور ست ؎

کیوں رہے دل جاہی جینا میں نہ تجھے کہتا تھا

بندِ دوم این بندہ رابدست آمد ؎

حاسداں تم کو جدا بیٹھ کے بہکاتے ہیں ہم سے دل توڑ تمہارے تو وہ بہلاتے ہیں
کیا ہوا تم کو بھی اب گرچہ وہی بھاتی ہیں آجکل جو تمہارے سے وہ سب جاتے ہیں
یہ وہی، تم ہو وہی ہم ہیں وہی باتیں ہیں پھر وہی عیش وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں
یا زفرداست کہ زلفِ تو بود در دستم من ہماں عاشقِ دیرینہ کہ بودم ہستم

میر محمد باقر مردیست از سلکِ متوسطین المتخلص بہ **حزیں** از سادات اکبر آباد سپاہی پیشہ شاگرد مرزا مظہر، از مدتے بطرف بنگالہ رفت، خدایش سلامت دارد ؎

اس بیوفا کے عشق میں کچھ مجکو حظ نہیں یاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
ویران ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
جس دن سے میں سنا ہی کہ آخر ہوئی بہار اُس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہیں
کیا کیا گزرتی ہووے گی، اُنپر چمن کے بیچ ان بلبلوں کا ہائے کوئی دادرس نہیں
کس کس مزے سے دھوم مچائی تھی تیکے سال جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

کہا میرا اگر وہ شوخ مانے تو غیروں کو نہ دے اُس پاس جانے
حزیں اکدم نہ جیتا تھا سجن بن سو یوں گزرے جدائی کے زمانے
وہ کہ ہے ملک مسلّم جسے یکتائی کا خوب لیتا ہے مزہ عالمِ تنہائی کا
میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن سخت دھڑکا ہے مجھے اس دلِ سودائی کا

محمد علی حشمت تخلص از شاگردانِ محمد علی بیگ **قبول** تخلص، مردم کشمیر بود استادِ عبدالحیٔ تاباں شاعرِ مربوط گو و رقت پسند بود، ہمراہِ قطب شاہ روہیلہ کشتہ شد خدایش بیامرزد ؎

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل تب عندلیب روکے پکاری کہ ہائے گل
خط نے ترا حسن سب اُڑایا یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میرزا حسن علی **حسن** تخلص برادر جعفر علی خاں، ایں بیت در مرثیہ امام علیہ السلام

ازوست ؎

یہ کس طرح کا زخم لگا تھا حسینؔ کے
اشک بہے ہے خون حسنؔ دل کے گھاؤ سے

ازاحوال متاخرین میر حسن المتخلص بہ **حسن** درکمال خوبی و اخلاق ظاہر حاشر بابس دنیاداری آراستہ و باطن بزیور فقیری پیراستہ، مدتے در صحبت یونس خاں بسر بُرد گاہ گاہے: وسہ بیت میگوید خدایش سلامت دارد ازوست ؎

تھی ہمیں سیر کوئی دن اُسی میخانہ کی
اب خبر ہے نہ صراحی کی نہ پیمانہ کی

تیغ ابرو نے تو مارا ہی تھا جو زلف نہو
غیر زنجیر خبر کون لے دیوانہ کی

اے حسن آپ کو سمجھے گا تو کیا بس چپ رہ
سرِ حق ہے یہ نہیں بات ترے پانہ کی

خواجہ حسن گلشن بوستان آشنائی و سروِ گلستانِ رعنائی خوش فکر و خوش سخن متخلص بہ حسن ابن خواجہ ابراہیم نبیرۂ حضرت خواجہ کھاری قدس اللہ سرہٗ از فرزندانِ خواجہ مودود چشتی جوانے است درویش صالح متقی و متواضع، مورد ت، در فنِ طلسم و شعبدہ بازی نیز ماہر است۔ مدتے بطرفِ بریلی اقامت داشت چوں از تخلصِ فقیر واقف نبود بنابرین حسن تخلص نمود الحال بہ فیض آباد استقامت دارد خدایش بسلامت دارد

ازوست ؎

دل دلاسوں سے کرے ہی بیقراری بیشتر
خانۂ ماتم میں ہو پُرسے سے زاری بیشتر

صحبتِ سنگیں دلاں سے کیوں نہو خونریز جبین
سنگ سے شمشیر کو ہے آبداری بیشتر

کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے
پر تک ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے

ہمنے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی
بے سبب جو آپ اب یدھر کے آنے سے رہے

آہ کس کس بیوفائی کا میاں کیجیے شمار
اور تو سب یکطرف منہ بھی دکھانے سے رہے

اُنے کس کسطرح اپنے در سے ٹالا ہم کو پر
دیکھ تو ہم بھی حسنؔ کس کن بہانے سے رہے

حجام تخلص شخصے است حجام در شاہجہاں آباد، متصل مدرسہ غازی الدین خاں

دوکانِ سخن را گرم داشتہ مضمون تراشی مے نماید لیکن ازین شعرا و معلوم شد کہ کلامش بے اصلاح است، در موشگافی معانی قصد دارد۔ شعرا اینست ؎

کام کیا زور یہ حجّام نے — شیخ کی ڈاڑھی کو قصر کر گیا

میر حامد نصیری درویشِ گوشہ نشین بکمالِ صلاح و تقوے متواضع و مؤدب از مریدانِ حضرت میر نصیر دام افضالہ کہ الحال جانشینِ حضرت خواجہ محمد باسط نوّر اللہ مرقدہٗ ہستند رص ہمانجا بدر دروازۂ پیر خود از سر اعتقاد بسر می برد، شوق شعر بمرتبہ دارد کہ در گفتن نمی آید، اشعار بسیار جمع نمودہ چون مزاولت اکثر بشعر و سخن دارد گاہ گاہے بعد از سال دو ماہے بیتے یا رباعی موزون میکند نمایش سلامت دارد، رباعی از دست ؎

دنیائے دنی کو جو کہ فانی سمجھے — اور قصۂ عمر کو کہانی سمجھے

دریائے حقیقت کو وہی جاوے پیر — جو مثلِ حباب زندگانی سمجھے

حضور تخلص شخصے ہندو در شاہجہان آباد رطب و یابس بسیار دارد ؎

زبان شمع سے روشن ہوا یہ اہل مجلس پر — کہ یاں جو دم گزرتا ہے ترقی ہے تنزل میں

میر حیدر علی گلِ بوستانِ سیادت و سروِ جویبارِ شرافت از نجبائے زمان میر حیدر علی المتخلص بہ حیران، جوانے است شگفتہ رو نیکخو، سلیقۂ سخنش نہایت خوب و فکرِ دلپذیرش بسے مرغوب اصل وے از شاہجہان آباد است الحال در لکھنؤ استقامت دارد از شاگردان لالہ سرب سکھ کہ شاعر فارسی است و دیوانہ تخلص دارد، با فقیر بسیار دوستی دارد، سلامت باشد۔ ؎

دُکھ اس سے کون کہے تاب لتماس کہاں — کسے ہے ہوش بجا دل کہاں حواس کہاں

ہوا ہے ابنوں نے دوستوں سے ربط شلے — تمہیں اب آنکی فرصت ہمارے پاس کہاں

ہوا نہ ہمکو کبھی سیر باغ گشت نصیب — کرینگے زیست کا کیا یاد ہمسے زشت نصیب

دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال — غم فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب

کٹی شب کس توقع پر ہماری چین سے حیراں
اب آیا دم میں آیا دن تو ان باتوں میں کھتا ہے

اپنے جائیگا نہ واں دنکو ہے نہ رات کو ذہب
دیکھیے کیسی بنے آن پڑی بات کو ذہب

رہئے بن کوئی گھڑی دل نہیں لگتا اپنا
یار بن آپڑی اپنی نبٹ اوقات کو ذہب

درد دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا
کل میسر ہوئی حیران کو ملاقات کو ذہب

نظر تیری ادھر کو اس طرح اے یار پڑتی ہی
لٹیری فوج جیسے لوٹ پڑ اکبار پڑتی ہی

قطعہ

کل کہا میں نے میرے گھر چلیے
اس میں کچھ کم نہوگی محبوبی

سن کے تیوری بدل کے کہنے لگا
رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی

مجھسے کہنا ہے میرے گھر چلیے
دیکھیے اختلاط کی خوبی

کلیجا بھن گیا کبتک کروگے ہائی بیدردی
اٹھوں میں ہی جہانسے یا کہ اٹھ جائے بیدردی

از شعرائے دوسان وفصحائے زماں غنچہ گلشن محبت میاں جعفر علی المتخلص بہ حسرت
طبعش از چمن خوبی بشکل طوبے برخاستہ و درج فطرتش رشتۂ سخندانی از جواہر معانی
آراستہ شربت عذب بیانش را قوام عالی و گوہر طبع روانش را نظم متوالی، خلعت
میاں ابو الخیر کہ بہ پیشۂ عطاری در لکھنؤ متصل اکبری دروازہ بسر می برد، جولانی طبعش
از حد گزشتہ قصیدہ ہا در زمین مشکل تشکل گفتہ، فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، حالا
بوسیلۂ فن شاعری در سرکار حسن علیخاں بہادر سرفراز است، مدتے اصلاح
سخن از رائے سرب سکھ گرفتہ الحال منحرف است غرض مثل او پیدا نیست خدایش
سلامت دارد کثرت شاگرد دانش چنانست کہ در صورت شناسی خود ہم حیرانست ۵

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے

بہ رنگ آبلہ لے والے یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اُسی کو گرانی ہے

جبتلک سینے میں دل تھا داغ بھی جلتا رہا
بجھ چراغ اب گھر کا مالک جو تھا جلتا رہا

چھنے تیر نگہ سے دل اگر یوں ہو تو بہتر ہے — بنے غربال کی صورت جگر یوں ہو تو بہتر ہے
کہے وہ اپنے منہ سے قتل حسرت کو کیا میں نے — مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے
سر شکِ گرم یہ جیبن بحر سے ملے نکلے — حباب ہو کے وہیں اسپہ آبلے نکلے
تمام دن ستے جو آہ شمع وپروانہ — ملے جو شبکو تو آپس کے سب گلے نکلے
رقیب نے ہیں تو ام ہو جسطرح بادام — جو توڑا اس سے تو دونوں کے دل ملے نکلے

تم جو کہتے ہو کہ حسرت کو ق آہ و فریاد یاں کیا نکرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے — درد دل کی کوئی دوا نکرے

اے شوق کیا ہے یاد تجھے آہ ستمبر — کی تو نے دل پہ لاکھ سر راہ دستبرد
چھپاتے تو نے ہیں دل پر خون خدا سے یہ — ثابت ہے تیرے ہاتھ یہ واللہ دستبرد
دل رکھتے تھے بساط میں حسرت سو دیچکے — اب غارت اس دیار میں ہو خواہ دستبرد
بتنا رسوا یہ دل زار ہوا کچھ نہوا — کچھ بھی یہ عشق سے بیزار ہوا کچھ نہوا
دلمیں سو بات تھی پر اسنے جو پوچھا احوال — مجھسے کچھ درد دل اظہار ہوا کچھ نہوا
سارے ہستی کے بکھیڑے ہیں وگرنہ دم مرگ — کچھ سرانجام بھی درکار ہوا کچھ نہوا
کاشکے عشق بتاتا نہ میں اس کو حسرت — میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہوا
مثال اس شمع کے جسکو ہوا لے تن لگتی ہے — ہماری ساعت آپہنچی ہی اب خاموش ہونگی
ہوئے ہیں اسقدر آفت زدے ہمتو کہ اب ہم پر — نہ کیفیت ہی ہنسنے کی نہ کچھ لذت ہے رونیکی

در ہندوستان رسم است کہ برائے پوشیدن پستان اکثر زناں دامن را بگریبان میکشند درآں مقدمہ میگوید ؎

نا یاد اس دامن میں پیارے خون بے تقصیر ہے — تیرا دامن آج کیوں تیرا گریباں گیر ہے

رباعی

دل دردِ بتاں سے آہ کیونکر نکرے — پر آہ تو تب کرے جو ان سے نہ ڈرے
وہ شکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل — دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے

پارۂ از احوال فقیر مؤلف کتاب

پوشیدہ نماند کہ اصل این فقیر ابن غلام حسین ولد میر عزیز اللہ بن میر امامی ہروی از ہرات است میر امامی نور اللہ مرقدہٗ ہفت قلم و فاضل متبحر بودند بہ سبب فضیلت در شاہجہان آباد آمدہ بین الاقران ممتاز گردیدند گاہ گاہ شعر ہم میفرمودند پس این عاجز سخن را سر رشتۂ شاعری اجدادی است نہ امروزی، حاصل کہ از صغر سن میلان طبیعت این فقیر بطرفِ سخن بیشتر بود بارے حقتعالے درین فن کم وبیش موافق ظرف استعداد قبولیت بخشید اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ ام لیکن طرزِ ادا شان ازین کما حقہ سرانجام نیافت بر قدمِ دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد و مرزا رفیع سودا و میر تقی پیروی نمودم ۔ شروع جوانی از گردشِ روزگار بدہنجار کہ ہرگز بہ کسے وفا نکردہ است بطرفِ لکھنؤ و فیض آباد رسیدم ۔ بارے کم وبیش از قدر دانی نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ بلبِ نان رسیدہ در خدمتِ مرزا نوازش علیخان بہادر صحبت گزیدم کہ خلف ارجمند اوست چنانچہ تا حال بہر نوع گذران مے نمایم اکثر بفرمایش نواب معلی القاب مرثیۂ امام علیہ السلام نیز بہ گفتن می آید از انکہ طبع عالی آن بزرگوار در ہمہ فن بلند افتادہ است علی الخصوص در علم موسیقی کہ از حصر و بیان بیرون است، سوز ہائے مرثیہ طرح می نمایند و این حسنہ برائے آخرت است، اجرہٗ اعلے اللہ و سردار جنگ بہادر نیز ہمین طور درین فن ذہنِ رسا و گوشِ شنوا دارد حقتعالی عمر و دولتِ ایشان را تا جہانست مع فرزندان قائم دارد ۔ فقیر درین مدت قریب ہفت ہشت ہزار بیت گفتہ باشد و یک ترکیب بند و یک

رموز العارفین گفتہ است کہ مقبول دلہا گر دیدہ مشہور شدہ است دو سہ بند اودر اوائر
قلمی خواہد شد، اول چند اشعار برائے یادگار درز دیں این بزرگان مسطور می نماید شاید
کہ مستحسن دلہا افتد ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

مطلع سر دیوان فقیر حسنؔ تخلص ؎

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
تو چاہیے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا

رکھتے ہیں نہ کچھ نام ہی اپنا نہ نشاں ہم
کیا نام و نشاں پوچھو ہوئے نام و نشاں کا

سر دیویگا جس دن تو حسنؔ تیغ کو اُس کی
اسرار کھلےگا جبھی اس سرِّ نہاں کا

چھیڑا نہ وہاں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا

وہ دن گئے کہ گلشن تھا بود و باش اپنا
اب تو قفس میں بھولے نقشہ بھی گلستاں کا

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائیگا

تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

قیامت مجھ پہ شب اُسکا ترحّم اور تظلّم تھا
کبھی ہنس ہنس گالیاں منہ پر کبھی لب پر تبسّم تھا

کہا میں کہ بھرتا ہوں دم آپ کا
لگا کہنے صاحب کرم آپ کا

کیا جانے اسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا

ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں
روتے ہی روتے جسمیں روزِ وصال گزرا

کچھ تو صدا ہی آہ نہ خاک بھی کہ جو
ادھر کو لگ رہا ہے حسنؔ گوشِ نقش پا

سنے صبح سے تا شام اُسی نام کو جینا
اور شام سے تا صبح غم و درد میں کھینا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

جس نے ملنے میں تمہارے دو جہاں چھوڑ دیا
تم نے ملنا بھی اب اس دل سے بتاں چھوڑ دیا

چھوڑے کوئی کسی کے لیے جس طرح سے کچھ
ہم نے منت میں تری کون مکاں چھوڑ دیا

اتنی جا گہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا
تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجکو کیا

میں ہوں آئینہ تو اپنا ہے تماشائی آپ
تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں مجکو کیا

گو اب رہا تو گیا ہے پر اک روز جائیگا
مجھ پہ قیامت ایک نہ اک دن تو لائیگا

کرتے تو قتل مجکو گیا ہے پر اب حسن
کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا

وہ مالکِ دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہوگیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

جز اشکِ بلبل اب نہیں گل شاخسار پر
کیا اُداس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر

وصل بھی ہوگا حسن ٹک تو استقلال کر
حال اپنا ہم سے کہہ کہ ہم کو مت بیحال کر

اے گردبادِ طرفِ چمن ٹک گزار کر
بلبل کے پر پڑے ہیں گلوں کے نثار کر

سب بے تمیز تو نہیں یہ حسن اس گلی میں روز
جا جا کے بات کرنی ہر اک سے پکار کر

جس طرح ہو کوئی حیران رہے حیران دیکھ کر
دل پریشاں ہوگیا زلفِ پریشاں دیکھ کر

دامنِ صحرا سے اُٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

نہ رہا گل نہ خار ہی آخر
اک رہا حسن یار ہی آخر

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر

اس شوخ نے پھینکا ہے مگر تیر ہوا پر
جاتا ہے جو دل کا مرے نخچیر ہوا پر

ٹک کیجیو حذر نالۂ جاں سوز سے میرے
ہے برق کے مانند یہ شمشیر ہوا پر

آباد شہرِ دل تھا اسی شہر یار تک
اب کوئی آ پھرے نہ اس اُجڑے دیار تک

قسمت نے دور ایسا ہے پھینکا ہمیں کہ ہم
پھر جیتے جی پہنچ نہ سکے اپنے یار تک

دیکھا جو واں نہ مجکو گماں سو طرف گیا
آئے نہ ہوتے کاشکے ہم کوئے یار تک

آنکر غم کدۂ دہر میں جو بیٹھے ہم
شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ حسن وصل میں یار
لذتِ ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغِ گرفتارِ قفس میں

اس ملنے سے ہو دل کو بھلا کیونکر تسلّی
دم رُکتا ہوا آتا ہے لب تک ترے غم سے
اشکوں سے حسنؔ کیونکے نہو رازِ دل افشا
اُس کی جب بزم سے ہم ہوکے بتنگ آتے ہیں
حُسن میں جب نہیں گرمی نہو جی دیوے کون
اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں
روز و شب ہم کو اسی فکر میں گزرے ہے کہ ہم
ترے بن باغ میں جس وقت غنچے گل کے کھلتے ہیں
نہ لپیٹ اس طرح منہ پر زلف کو بکھرا کے اے ظالم
سماں تھا کل عجب ہونے سے تیرے شوخ محفل میں
ہے سزا دل کی جو زلفوں سے گیا پھر میں
مردمِ چشم نے پلکوں کی چڑھا سنگینیں
حسنؔ گر یار رستا ہوں میں تو ناچاری سے ہوں ورنہ
حسنؔ مت یاد کر اُن صحبتوں کو
کمی جس جا کرے بارش تو یہ کہہ دیجو دہقاں کو
نہیں تقصیر کانٹوں کی مرا چھالا ہے پاؤں کا
رہنے نہ دیگا اس بن یہ دل تو ایکدم بھی
ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی
شبِ فراق میں رو رو کے مر گئے آخر
یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا
نہ رہتی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو

اکبار کہیں چھپکے ملیں لاکھ برس میں
عقدے پڑے ہیں بسکہ مرے تارِ نفس میں
پانی کے چھڑکنے ہی سے ہو موتی ہی خس میں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں
شمع تصویر کے کب گردِ پتنگ آتے ہیں
ہوں گر آزردہ بھی ایسے ہی تو بولا نہ کریں
عشق میں اسکے حسنؔ کیا کریں اور کیا نہ کریں
خراشِ ناخنِ غم سے جگر کے زخم چھلتے ہیں
ذرا اُٹھ بیٹھ تو اس دم کہ دونوں وقت ملتے ہیں
کہ سو سو آرزوئیں مضطرب پھرتی تھیں دل میں
تنگ کیوں نکلا اکیلا جو پھنسا پہرے میں
ایک عالم کو نظر بند کیا پہرے میں
نظر ہے جام پہ میری سدا اور دل ہے شیشے میں
سدا یکساں نہیں رہتی کسی کی
گدائی کشت پہ لیجائے میری چشمِ گریاں کو
برنگِ کہربا کھینچے ہے خود خارِ مغیلاں کو
کیوں روٹھ کر ہم اپنا کھو دیں عبث بھرم بھی
تمام عمر لگی پر یہ ہم سے سر نہ ہوئی
یہ رات جیسی تھی ویسی رہی سحر نہ ہوئی
کبھی اس طرف بھی کرم تھا کسی کا
حسنؔ تجھکو کیا رات غم تھا کسی کا

جان و دل ہیں اُداس سے میرے — اُٹھ گیا کون پاس سے میرے

کبھی کبھی جو مرے دل میں ہوش آتا ہے — تو پھر تری ہی محبت کا جوش آتا ہے

دریا میں ڈوب جاوے کہ یا چاہ میں پڑے — اے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے

آجا کہیں شتاب کہ مانندِ نقشِ پا — تکتے ہیں راہ تیری سرِ راہ میں پڑے

یوں غیر کچھ کہیں تو بلا کو بُری لگے — تو کچھ نہ کہہ کہ ہم غربا کو بُری لگے

اس بُت کی بندگی سے نہ آزاد ہو سکیں — یہ بات بھی کہیں نہ خدا کو بُری لگے

بیکلی مجکو نہیں ہرگز بدن کے واسطے — جان بلب ہوں اپنے اُس غنچہ دہن کیواسطے

کچھ سُنا تھا حق میں اپنے ایکدن تجھ سے سخن — سیکڑوں سنتا ہوں باتیں اس سخن کیواسطے

بے جگہ عاشق ہوا ہے کیا کریں کچھ بس نہیں — جی تو کُڑھتا ہے بہت اپنا حسن کیواسطے

کہتا ہے تو کہ تجھسے نہیں ہیں نباہتا ہوں — تو ہی کہیں ہو سچا میں یوں ہی چاہتا ہوں

مجھ پر تو یہ تیرا ستم و جور کچھ نہیں — لیکن ترے ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں

روٹھا کرے نہ کیوں وہ کسی اور سے حسن — یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

جان میں جان تبھی قیس کے بر آتی ہے — ناقۂ لیلیٰ کی جب بانگِ جرس آتی ہے

ساتھ دیکھوں ہوں کسکے یہ کسی دلبر کو — میں بھی جی رکھتا ہوں مجکو بھی ہوس آتی ہے

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دن — فصلِ گل غنچوں کو پھر اگلے برس آتی ہے

جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہمکو حسن — اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو — کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

دیکھنا زلف و رخ تمھیں ہر وقت — شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے — دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی — پیارا یک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی

کچھ ہو نہو دلے ہو تیرا خیال ہر دم — ان بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

نہ ہم ہوش میں مے پرستی سے گزرے
ہوئے جبکہ بیہوش مستی سے گزرے

نہ ٹھہرا ذرا قافلہ اس سرا میں
لیے حسرتیں یاں کی بستی سے گزرے

رہے جس میں خطرہ سدا نیستی کا
بس اے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

آنکھوں کو اسکی دیکھا تو مستی نظر پڑی
پھر ساتھ اسکے بادہ پرستی نظر پڑی

سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر
بارے تو آج آیا تو بستی نظر پڑی

سوجھا ہمیں نشیب و فراز زمانہ تب
جب عشق کی بلندی و پستی نظر پڑی

وصل کا عیش کہاں یہ غم ہجراں تو ہے
لب خنداں تو نہیں دیدۂ گریاں تو ہے

آرزو اور تو کچھ ہم کو نہیں دنیا میں
ہاں مگر ایک ترے ملنے کا ارماں تو ہے

حال کیا پوچھے ہے حیرتکدۂ دہر کا دیکھ
آئینہ پایا تو ہر ایک دیدۂ حیراں تو ہے

جو چاہیے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہیے
انصاف کر تو چاہیے یا نہ چاہیے

مجھ سے نے تجکو چاہا تو چاہا عجب نہیں
تجھ سا جو مجکو چاہیے تو پھر کیا نہ چاہیے

نہ تو آہ و نالہ ہی نکلے ہے نہ اٹھے ہی کل سی صدائے دل
تو خبر تو سینے میں لے حسن کہیں چل بسا ہو ہائے دل

چند اشعار بطور قدمائے ایہام بندان گفتہ شد

جن جل جاؤنگا میں رشک سے مت دیکھ آئینہ
دکھاتے غیر کو منہ آرسی تجھ کو بھی آئی نہ

مژگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گلی کے تنکے
رہتے ہیں ہم وداع روز ازل سے تنکے

اکدم میں بھوت ہیں وہ اکدم میں ہیں فرشتہ
ہم آشنا ہوئے ہیں دو چار دن سے جنکے

لیلا ڈھنگ ہو دیں اب کے دیکھیں ہیں حسن کے
صحرا کو پھر یہ نکلا مجنوں کے حال بن کے

نے ترے سبزہ خط نے آنے کی دھوم ڈالی
خضری تیرا اٹھی ہے تحقیق ہو کے آجز

غزلے گفتہ بودم کہ در سہ بحر خوانده مے شد، آتش کہ بخانہ افتاد سوختہ شد چنانچہ
یک مطلع قلمی مے شاید سے

نہیں ہے تاب میرے دل میں جو رکھوں اسے پنہاں	کہے تو غم ترے آگے کہوں ٹک ایک یکجا ں

اول بحر ہزج مفاعیلن ہشت بار، دوم بحر رمل مثمن مخبون فعلاتن ہشت بار، سوم بحر مجتث مجنوں مفاعلن فعلاتن چہار بار

رُباعی

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے	مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو	اب تک تو کئی بار تم آجاتے تھے

دیگر

دنیا داری میں اور نہ دینداری میں	چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
حیرتکدۂ دہر میں تصویر کی طرح	سویا کرتے ہیں عین بیداری میں

بند اول ترکیب بند

ہر ایک بزم میں ہے اُس کا ذکر صبح و مسا	ہر ایک ملک میں ہے اُس کے حسن کا شہرا
ہر ایک چشم میں ہر دل میں، ہے اُسکی جا	ہر ایک ملت و مذہب میں اُس کا ہے چرچا
ہر ایک جان کو بلبل صفت۔ ہے اسکی ہوا	اگرچہ اور بھی گل ہیں بہت یہ نام خدا

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوے او دارد

مقطع دیگر از غزل فقیر را بسیار خوش آمدہ بود، قلمی مے نماید ~

پہنچے نہ حسن منزل مقصود کو ہم اور	آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

ردیف الخاء

اول احوال متقدمین | ابر بیت اول بطریق تیمناً و تبرکاً از کلام معجز نظام

حضرت امیر خسرو قدس سرہٗ تزقیم مے نماید احوالِ آں بزرگوار مشہور معروف است ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں

چو تابِ ہجراں ندارم ای جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

خوشنود تخلص مردِ دکھنی بود احوالش معلوم نیست ازوست ؎

سریجن جاگے سیج پر توبھی سجن آیا نہیں | جیب پہ چھپکے دیکھی باٹ ہیں درشن کر دکھلایا نہیں

خاکی تخلص مردے بود درویش از شاہجہاں آباد در عہد جہانگیر احوالش معلوم نیست

از کیر دیرے ایں شعرش بگوشِ خورد، ازوست ؎

ڈالی ہے اپنے من میں اجتو یہی سریجن | تجھ بیم کی گلی میں خاکی کو خاک ہونا

احوالِ متوسطین تعجیہ باغ مرمت و وقار محمد یار المتخلص بہ خاکسار مردے بود خادم درگاہِ قدم شریف صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، انچہ میر تقی در تذکرہ خود نوشتہ است کہ خود را بسیار درمیکشد غالب کہ ایں حرف راست نباشد. و بر تقدیر اگر دور کشید بہ نزدیکِ ایں فقیر بجاست، شخصے کہ خادم چنیں درگاہ باشد اگر دماغ بر فلک رساند رواست، دیگر دلیل بر بطلانِ اینہا اینکہ اگر چنیں مے بود "خاکسار" تخلص نمی نمود مگر در مزاج متانتے خواہد بود مدتے شد کہ جان بجاں آفریں سپرد، خدا اش بیامرزد ؎

تیری زلفِ سیہ سے اے پیارے | مجھ کو اک سر ہزار سودا ہے
خاکسار اُس کی تو آنکھوں کے گئے مت لگیو | مجکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

میر تقی میگوید کہ اگر بجائے "بیمار کیا" "گرفتار کیا" مے شد بہتر مے بود لیکن در عقلِ فقیر چنیں میگزرد کہ اگر چشم خود مے بود گرفتار مناسب بود چوں اینجا چشم معشوق است بیماری صحت دارد ؎

تیغِ قاتل سے رہے محروم اسے تقصیر ہم | روزِ محشر کو اُٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر — یہ کہ تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں — آہ جوں شمع ہی راحت مجھے جلجانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے دادخواہی کی طاقت ناکما ہے

رونے سے خاکسار کے روتا نہیں ہے کوئی — اس خانماں خراب کو جیکا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے — یہ ترا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام — تار اس زلف کا رگِ جان ہے

بدرالنساء بیگم، دختر نواب قمرالدین خاں وزیر ہندوستان، چوں خالۂ نواب عمادالملک بود مشہور بہ خالہ بیگم گردید با مادرِ نواب غالب جنگ احمد خاں مرحوم در فرخ آباد بسر می برد ہمانجا بجوارِ رحمتِ ایزدی پیوست ایں شعر بنام او شنیدہ شد ہ

کہا تھا سارباں کے کان میں لیلی نے آہستہ — کہ مجنوں کی خرابی کا کہیں مذکور مت کیجیو

از جملۂ متاخرین گھاسی رام خوش دل، تخلص مے نماید از شاہجہاں آباد است در فیض آباد بکار صرافی مشغول است طبعش موزون است از قافیہ و ردیف واقف نیست ے

تو جو چاہے کہ رہے حسن پہ مغرور سدا — یہ غلط ہے نہیں نبھنے کا یہ دستور سدا

تارِ طنبورہ و نئے و بین و صدائے مطرب — ہر زباں میں ہے صنم تیرا ہی مذکور سدا

ردیف الدال

دریں سلک از متقدمین کسے گزشتہ باشد بنظر فقیر نرسیدہ مگر از متوسطین مرزا داؤد بیگ داؤد تخلص در عہدِ فردوس آرامگاہ بود از وست ہ

زلفِ دلبر سے مجھکو سودا ہے — خلق کہتی ہے تجھ کو سودا ہے

شاہ فتح محمد المتخلص بہ دل متوطن اکبرآباد است از نبیرۂ محمد غوث گوالیاری
ہمعصر میاں آبرو تلاشِ لفظِ تازہ بر وضعِ قدیم دارد در کمال تجرید بوسیلۂ طبابت
در فیض آباد بسر می برد سلامت باشد ؎

ہمنے سوئیاں بھی نہیں دیکھیں کبھی اس سار کی — گویا نکیلی تیز تر دیکھی ہیں مژگاں یار کی

با بیگانہ بیگانہ و با آشنا آشنا میاں فضل علی المتخلص بہ **دانا**، جوان محمد شاہی سیہ
فام ریش بلند از قوم افغان بود با ہمہ معاصرین خود خوش طبعی داشت با آں خوبصورتی
اکثر لباسِ سیاہی پوشید، یاران بر وضعِ او خندہ میکردند و خود ہم تبسم میفرمود غرض مرد
زندہ دل بود از مدتے بطرفِ بنگالہ رفت خبرش نیست از دست ؎

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا — یہی توحید میں مصرع سرِ دیوان ہے میرا
تجھ انتظار میں پیارے مثالِ آئینہ — تمام عمر پلک سے مری لگی نہ پلک
دل میں ہر ایک کے سودا ہی خریداری کا — یوسفِ مصر اگر تو ہی ہے اک یار عزیز

محمد فقیہ المتخلص بہ دردمند، جوان محمد شاہی بود نظر کردۂ مرزا مظہر جانجاناں رح
سوائے ہمیں ساقی نامہ دیگر اشعارش بنظر نرسیدہ، غرض کہ بسیار بانمک گفتہ و گوہرِ
معانی سفتہ، من ساقی نامہ ؎

ارے ساقی ایجان فصلِ بہار — یہی تھا ہمارا اور تیرا قرار
ستم سے گزر کچھ تو انصاف کر — خدا سیتی ڈر کچھ تو انصاف کر
تامل سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ — کہ لبریز ہے باغ تا دشت و کوہ
اس آتش میں ہیرا نہ کر دل کباب — کہ میری طاقت کے زہرے کو آب
کہ میں جان بلب ہوں پیالے کی طرح — لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح

در قمیہ میگوید ؎

تجھے وعدہ کر بھول جانے کیسوں
تجھے اپنے سوگند کھانے کیسوں

شبِ عید کی تجکو جادوں کسوں
تجھے اپنے منہدیکے پاؤں کسوں

در تعریف اہلِ چمن

نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف
شگوفے کی مستی سے آئے ہیں کف

ہوا کے نشے نے کیا اسکہ زور
پڑا آب مستی سے کرتا ہے شور

در اشتیاق گوید

ارے ظالموں مفت ہے یہ بہار
کہاں یہ نشہ پھر کہاں یہ خمار

نیٹ نقش بر آب ہے یہ جہاں
ٹک اک موج میں ہم کہاں تم کہاں

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہجائے گا
نہ ملنے کا اک داغ رہجائیگا

حکایت بر سبیلِ تمثیل

لگن میں پڑا ایک پروانہ رات
یہ کہتا تھا اربابِ مجلس کے ساتھ

کہ اس بے پروبال کی عرض ہی
کہ ابلاغ اُس کا تمھیں فرض ہی

مرا شمع سے یہ سندیسا کہو
اسے خوب سمجھا کے اتنا کہو

یہی تھا لکھا میری قسمت کا جاں
قیامت تلک ہجر و وصل ایک آن

جو تجکو مرا خوش نہ آیا ہے حال
تو مجکو شکایت کی کب ہے مجال

سراپا مرا گرچہ آتش میں ہے
سعادت مری تیری خواہش میں ہے

وہی کر تو جس میں ترا کام ہو
ولیکن نہ اتنا کہ بدنام ہو

یہ کہکر کیا کام اپنا تمام
ہوا زندگانی کا روز اسکی شام

جو کوئی عشق میں اس ادب سے مرے — خدا تا ابد اُس پہ رحمت کرے

؎ شعر

قفس تک بھی نہ پہنچے اور پڑے دور آشیانے سے — عجب ساعت میں بچھڑے تھے چمن کے آستانے سے

بوستان حلاوت وگلستان طراوت ورزمرہ دردمندان فرد کرم اللہ خان درد ہمشیرہ زادہ نواب عمدۃ الملک، جوان محمد شاہی بودہ طوطیِ طبعش نکتہ پرواز وبلبلِ فکرش باعندلیب ہم آواز طرزش عاشقانہ وسخنش دردمندانہ وقتیکہ درشاہجہان آباد ہنگامہ مرہٹہ برپا گردید چند کافراں برائے غارت برناموس سید علی عسکر گبرے ریختند ایں جوان خدا پرست للہ برائے ناموس میر مذکور از دست مقہوران شہید شد خدایش بیامرزد، ازدست

؎

آتشِ عشق سے روشن تو مری جان کے بیچ — شمع ساں جل کے اٹھو اٹھا بھی اک آن کے بیچ

سامنے ہوتے ہی پھر نقش نہ پائے دل کے — بٹ گیا نوک سنان پر صفِ مژگان کے بیچ

اگر وہ بُت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے — تو یوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے

ہر اک دم سانس ہو کر پھانس مجھ دل میں کھٹکتی ہے — اگر جی کی خلش نکلے تو کیا آرام ہو جائے

تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر — اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے

تحمل آتشِ غم میں دلِ بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایکدم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو — پلک لگنے کی لذت دیدۂ پُر آب کیا جانے

سالکِ مسالک مکاشفات دینی وناہج مناہج مجاہدات یقینی از عرفائے عالیمقام ونقہائے ذوی الاحترام بر آسمانِ سخن مانندِ خورشید فرد حضرت خواجہ میر المتخلص بہ درد، از عالمانِ عوش ذات واز درویشانِ نیکو صفات، طنطنۂ فضل وکمال ودبدبۂ جاہ وجلالِ او بفلک رسیدہ وطناب خیمۂ فکر عالیش چوں شعاع مہر از مشرق تا مغرب کشیدہ در بحرِ ضمیرش ہم گوہر ناسفتہ وبرگفتۂ او عقل آفرینہا گفتہ، مرشد بوادی

حقیقت و رہبر بیدارانِ شریعت دلِ آگاہ وے مخزنِ اسرارِ خدائی صفائے باطنش محرابِ کعبۂ کبریائی خسروِ اقلیمِ حال و قال جامعِ صفاتِ جلال و جمال خلفِ حضرت خواجہ ناصر قدس سرہ اصلش شاہجہان آباد شاعرِ فارسی و ہندی، سے نے غلط این چہ لائق اوست بل شعر گفتن دون مرتبۂ اوست، اکثرے از دستِ عسرت پریشان شدہ ابنائے رفتند لیکن آن ثابت قدم تکیہ بر توکل نمودہ قدم از جا برنداشت تا حال در شاہجہان آباد مقیم است، دیوانش اگرچہ مختصر است لیکن چون کلامِ حافظ سراپا انتخاب ، دام افضالہ

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہیں اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

ہم یہ جانتے ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جبیں مرے ملے دو ابرو ہم کو نماز کرنا

آرام سے کبھی بھی نہ اک بار سو گئے
جیسے ہمارے طالعِ بیدار سو گئے

خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے

یارب مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

عاشقِ بیدل ترا یا تنگ جی ہی سے تھا
زندگی کا جو اسے دم تھا دمِ شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیرِ آہِ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچی ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بتخانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحبخانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہو گیا مہمانسرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی / جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری / آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی / ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اگر یونہی یہ دل ستاتا رہیگا / تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے / مری یاد تجھکو دلاتا رہیگا
بھلا کوئی تم تب سی اے ہمصفیرو / خبر گل کی ہم کو سُناتا رہیگا
گلی سے ترے دل کو لے تو چلا ہوں / میں پہنچوں گا جبتک یہ آتا رہیگا
خفا ہو کے اے دردؔ مر تو چلا تو / کہانتک غم اپنا چھپاتا رہیگا

مل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہگیا / ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمانسرائے ہے / غم رہگیا کبھی کبھی آرام رہگیا
تم نے تو ایک دن بھی نہ ادھر گزر کیا / ناچار ہو کے ہم نے ہی ادھر سفر کیا
پیکان و دل کے ساتھ ہوا جب معاوضہ / سینے سے تب خدنگ نے میرے گزر کیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما دیکھا / برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے / ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا / بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا / پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا
میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات / پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانا / مثال زندگی پھرتے ہیں اپنا آپ پیمانا
کسی سے کیا بیاں کیجئے اس اپنے حال ابتر کا / دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
دل کو لیجاتی ہیں محبوبوں کی خوش اسلوبیاں / ورنہ ہیں معلوم ہمکو سب اُنھوں کی خوبیاں
دردِ دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو / ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کروبیاں

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بتاں کے جبر اُٹھائے ہزار ہا لیکن
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

نہ گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

مٹ جائیں ایکدم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں
موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں

ایدھر بھی اہلِ بزم توجہ ضرور ہے
کچھ کچھ کہے ہے شمع بھی اپنی زبان میں

نہ ملیے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
دگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل بیٹھیں گے آپس میں جو کچھ ہوگا
پر ان دونوں کے جھگڑے میں مرا کام تمام ہوتا ہے

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دلمیں تو نہو

ارض و سماں کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے یہ کہ جہاں تو سما سکے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
پر نہ آ جائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جبتک تری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے — جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول — دل میں کسی کے آہ کوئی راہ کیا کرے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے — اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے سونی — ہوا کیا درد کو یا رب گلی کیوں آج ہے سونی

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا — پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن — میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

شب گزری و آفتاب نکلا — تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا — کچھ منہ تو جی کا حجاب نکلا

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم

جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی — ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

قطعہ

یہی پیغام درد کا کہنا — گر کوئی کوئے یار میں گزرے

کونسی رات آن ملیے گا — دن بہت انتظار میں گزرے

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا — بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں — بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اس سے — مذکور کسی طرح سے جا کیجیے اس سے

ہر دن جوں وہ کہے ہے تو یہی آوے ہے جی میں — پھر چھیڑیے اور باتیں سنا کیجیے اس سے

کہتے نہ تھے ہم درد میاں چھوڑ یہ باتیں — پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اس سے

تہمتِ چند اپنے ذمّے دھر چلے — جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

بند مخمس از غزل کلیم

کئی قیمت میں اسکے پاس نقدِ دین کو لائے — کئی دنیا دکھاتے ہیں کہ سودا یونہی ہو جائے

مجھے یہ سوچ ہے وہ خود فروش ادھر اگر آئے — بہ راہِ او چہ در بازیم نہ دینے نہ دنیائے

دلے داریم و اندوہے سرے داریم و سودائے

رباعیات

اے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم — جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم

گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن — میرے جی کا شگفتہ ہونا معلوم

اے درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا — یوں ضبط جو تجھ سے یک بیک چھوٹ گیا

کیا ایسی مصیبت پڑی تجھ پر ظالم — کہہ تو سہی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا

اے درد بہت کیا پرکھا ہم نے — دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نے

بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ — جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

پیری چلی در گئی جوانی اپنی — اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی

کل اور کوئی بیان کرے گا اسکو — کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

حسرت کے لیے کب تئیں مرتے رہیے — کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے

اے درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے — اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

رائے سرب سنگھ المتخلص بہ دیوانہ شاعر زبردست فارسی ہست شعر بسیار

گفتہ است اُستادِ ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگراں شاگرد او یند، در آنجا مشہور و معروف است، در اوائل مشقِ فکرِ ریختہ ہم میکرد عجب شخصے است خدا سلامتش دارد از وست۔

رُباعی

وے لوگ کہاں کہ یار باشی کیجیے
وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجیے
اک گوشے میں بیٹھکر دو لئے تنہا،
اب ناخن غم سے دل خراشی کیجیے

دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نجاے
شعر رستم کا کیا جگر ہے کہ زہرا پگھل نجاے

محمد عابد جوانے است مربوط گو و قابل المتخلص بہ دل در سلکِ متاخرین از حروف الدال ساکن عظیم آباد، برادرِ میان روشن علی جوشش تخلص۔ ازو بانِ آن دیار است، سلامت باشد از وست۔ ؎

وہ کافر ہماری شبِ تار ہے
جسے صبح کا دیکھنا عار ہے

تمہارے در پہ جو درباں ذی آستین پکڑی
برنگِ نقشِ قدم ہنے بھی زمین پکڑی

میرزا منکو بیگ المتخلص بہ درخشان سیاہ فام چیچک رو۔ مردِ شوقین بود، مرثیہ و غزل و مثنوی ہمہ میگفت، بسیار سادہ وضع بود، مدتے آزار کشیدا زیندے رحلت کرد خدا لیشں بیامرزد ؎

یاران و داعِ عمر کو ہجراں کی رات ہے
مانندِ شمع میری سحر کو وفات ہے

تھی درا سے، ناقۂ لیلی کی ہر دم یہ صدا
آہ مجنون پاشکستہ رہگیا محمل سے دور

حرف الذال

ذاکر تخلص شنیدہ ام لیکن اشعارش یاد نیست۔

حرف الراء

رنگین تخلص مرزا امان بیگ پارۂ از احوال متوسطین، از متقدمین کسے بنظر نیامدہ
مرد یست سپاہی پیشہ خوش اوقات و نیک ذات، جوان محمد شاہی، خط نستعلیق خوب
می نویسد، از ملازمان نواب افتخار الدولہ مرزا علیجان بہادر است، از یاران میاں
غریب وضع قدیم ندارد، ایہام بند است، خدا ایشاں را سلامت دارد، از دست

رات کی بات نہیں کہنے کا تیری پیارے ۔۔۔ گو چلیں آج مرے سر پہ ہزاروں آرے
ایک مو زلف کا رنگین کو نشانی بھیجا ۔۔۔ بعد مدت کے کیا یاد صنم نے بارے

رسوا تخلص آفتاب رائے از سلک متوسطین، ہندو پسرے بود، در توپخانہ
نوکری داشت، از چندے ترک روزگار نمودہ بریک پسر کمبوہ متنا نام تعشق پیدا کردہ
بود، زبانش بلند نیاں بسیار آشنا بود، باہر کہ سخن میگفت میاں میگفت و میگریست۔
کلاہش خالی از درد نیست عریاں میگشت، آخر بہماں حالت مرد، از دست

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے ۔۔۔ ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
قفس سے دوں لگے ہم اور چمن میں جا نہیں ۔۔۔ اُڑیں تو اُڑ نہیں سکتے چلیں تو پاے نہیں
وصل میں ہجو دستے اور ہجر میں بیتاب ہے ۔۔۔ اس دو دلانے دل کو رسوا کس طرح سمجھایئے

وہ کونسی زمین ہے جو اشکوں سے نم نہیں
رسوا بھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں

نقل است کہ روزے معشوق او رسن در گردنش انداختہ میگشت ناگاہ شخصے دیگر بغرض رسید او را ہم از ناز محبوبانہ در آں گرفتاری شامل گردانید، درآں وقت رسوا چہ مناسب حال ایں شعر برخواند

دیگرے را در گرفتاری شریکِ ما مکن
مدعا گر شہرتِ حسن است یک رسوا بس است

میر حمزہ علی المتخلص بہ رند، اصلش از شاہجہان آباد است، جوان محمد شاہی است از دیرے بطرفِ بنگالہ رفت، الحال اکثر از زبانِ یاران معلوم شد کہ در مرشدآباد ترک لباس نمودہ خدا ایش سلامت دارد، از وست

سینے سے داغ عشق مٹایا نہ جائیگا
ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

بندرابن راقم تخلص ہندو از قوم کھتری بسیار بیست قدر و بلند فکر است، از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا رحمہ اللہ، در تضمین نمودن مخمس دست بہم رسانیدہ بسیار بخوبی میگوید معلوم نیست کہ کجاست۔

یا تنگ قبولِ خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

پہچانا آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھکر کہیں

دیکھا میں رات جا کر احوالِ چشم راقم | برسات کی اندھیری پُتلی کی تھی سیاہی
کہیے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے | اُڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں | کہنے کو ہے یہ بات کہ تقدیر نہیں

اغلب کہ ایں شعر بے اصلاح باشد چرا کہ از افتادنِ عین ناموزوں میشود و در نیخہ عین می افتد عین خطا است، در دانست فقیر چنیں بہتر میشود ؎

"میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں"

از سلکِ متاخرین لالہ ہلاس رائے المتخلص بہ **رنگین**، خلف راجہ مان رائے دیوان مدار المہام سیر محمد علی رُہیلہ است طبع موزونے دارد ہر جا کہ باشد سلامت باشد از وست ؎

اس مصیبت سے جو تو گھر سے نکالے ہی مجھے | یہ تو بتلا میں بھلا جاؤں کدھر آخر شب

خواجہ صاحب خواجہ حسین علی سلمہ اللہ المتخلص بہ **روشن**، طبع موزونے دارد، اصلش از شاہجہاں آباد است، جوانے است بکمال انسانیت وحسنِ خلق، چندے بطرف سلطانپور نیز بسر بردہ، الحال در سرکار نواب فلک جناب **آصف الدولہ** بہادر بخدمات قریبہ سرفراز است، خدایش سلامت دارد از وست ؎

رسما اُٹھ جفا رہیں آیا | کیا ہی کافر ہمارے میں آیا
جی میں یہ تھا کہ جان کیجے نثار | ایک دم بھی وہ بے وفا نہ رہا
شکوۂ ظلم سبھی دل سے اُٹھائے روشن | جب کہا اُسنے کہ میرا ہوں کہ کا اُٹھا

آشنائے باصفا مرزا علی رضا المتخلص بہ **رضا**، از یاران لالہ سرب سُکھ اکثر مثنویہا گفتہ است حسبِ حالِ خود، شخصے وہب علی نام، بر وے مائل است، احوال عاشقی

خود در عشوقی ادلبیار نجوبی در مثنوی بیان نمودہ اروست

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے | بیرحم و جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے
سب خلق ہوئی دشمن جاں عشق میں تیرے | افسوس کہ تس پر تو مرا یار نہیں ہے
غمگین رضا تو نظر آتا ہے، سبب کیا | سچ بول کہیں دل تو گرفتار نہیں ہے

مہربان خان خان بلند مکان تسفیق مسافران المتخلص بہ رند، در سرکار نواب غما لب جنگ بہادر بہ فرخ آباد بخدمت دیوانی ممتاز بود بکمال نیکنامی اوقات بسر بردہ مجلسے رنگین بہ نسبے ارم تزئین داشت ہر صادرے دواردے را بقدر استعداد خود و حوصلۂ او می نواخت، با اہل سخن ہمیشہ سرگرم سخن و با صاحب ہر فن چوں روح در تن محسن بحسنِ اخلاق در فن موسیقی و شاعری ہندی کہ عبارت از کبتہائے باشد طاقِ امارتِ ظاہری ہم برتبہ رسید کہ با اُمرایان سابق و حال آیں مجلس گردیدہ از شاگردانِ میر سوز و مرزا رفیع مشہور است، در تصانیفِ نفیسہ ہم دستے پیدا کردہ چنانچہ اکثر اہلِ غنا دلِ عشاق را نغمۂ دل دیرہ او می برند و بسیاری کلامش را چوں کلامِ سودا و میر سوز سرِ لوحِ دیوان خود می نگارند در علمِ تیراندازی اصلاح از میر سوز گرفتہ از ہمہ تیراندازانِ آں دیار گوئے سبقت ربودہ داہد، دیگر نیز مثل شمشیر شناسی وادب شناسی و قدر دانی انسان از صحبتِ میر مسطور حاصل نمودہ غرضکہ از مغتنماتِ روزگار است سلامت باشد از دست

خلقت تمام گردشِ افلاک سے بنی | مانٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی
مجھ ساتھ تری دوستی جب ہوگئی آخر | دُنیا کی مرے دل سے طلب ہوگئی آخر
حاصل تو ہوا وصل ہمیں بات پر افسوس | اک پل میں شبِ عیش و طرب ہوگئی آخر

حروف الزاء

مغل بیگ زار تخلص، جوانے ہست از سلک متوسطین، معلوم نیست کہ کجاست، از یاران میر تقی میر ہست۔ سلامت باشد از وست ؎

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اس کی — کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زار ہوگا

دیگر میر مظہر علی زار تخلص، از متاخرین ست، نقاوۂ دودمان سیادت و نوبادۂ بوستان شرافت پاکیزہ سرشت و نیک شعار، جوانے ہست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ کلامش عاشقانہ و فکرش دردمندانہ، استفادۂ سخن از شاہ حفیظ اللہ صاحب کہ در دیار لکھنؤ عالم و فاضل و مثنوی داں مشہور اند حاصل نمودہ اصلش از شاہجہان آباد ست فی الحال در فیض آباد در رفاقت نواب مرزا علی خاں بہادر بسر می برد گاہ گاہے فکر می نماید لیکن بسیار بطرز میگوید خدایش سلامت دارد ؎

چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو نکلے دم کہیں — خاک ہو یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو — شب فرقت تو آکہی نہ دکھانا ہم کو

تیری ہی قسم تجھ بن گر کچھ بھی خوش آتا ہو — کافر ہو اگر اس میں کوئی بات بناتا ہو

دل کو اس کوچے میں کھو بیٹھے ہیں ہم — اس لئے مغموم ہو بیٹھے ہیں ہم

سر رہو یا جاو اب در پر ترے — جو کچھ ہونی ہو سو ہو بیٹھے ہیں ہم

نیند تیرے ہوتے آوے ہے محال — یار تو چاہے تو سو بیٹھے ہیں ہم

اپنے تئیں اس بزم سے کیا کام ہے — جب تلک تم بیٹھے ہو تم بیٹھے ہیں ہم

جس طرح فرما گئے تھے یار تم — اس طرح سے دیکھ لو بیٹھے ہیں ہم

کرنی جو کبھی مجھ سے گفتار سو یہ تحفہ — سب تیرے لئے دشمن تو یار دیہ تحفہ

گزری ہی تڑپتے یاں بجا دیں ہی نہیں اسکے — دن کی تو یہ حالت ہے دلدار سو یہ تحفہ

کہتا تھا کل آؤنگا سو آج تک آتا ہے — مدت میں کیا اس نے اقرار سو یہ تحفہ

ب زار یہاں بھی تو چھٹ خار نہ کچھ دیکھا — صحرا ہی کو روتے تھے گلزار سو یہ تحفہ

گا کہنے کہ کہہ احوالِ فرقت مختصر کرکے — دکھایا آنسوؤں نے خون کے ہیں دامان کو بھر کے

ہیں تو فرش سے اور تکیہ مخمل سے بہتر ہے — گلی میں اس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے

کیا ہونی ہے اے زار کہ تو خانہ نشیں ہے — اور اگے تو جوں برق کہیں چین نہیں ہے

کیا تجکو خوش آیا ہے یہ اے چرخ ستمگار — عاشق کہیں بیتاب ہے معشوق کہیں ہے

کیا تجھ زار ابا کہہ درد دکھ کٹھن ہے — جو تو ہے اور رونا اور یہ اُجاڑ بن ہے

لیجاوئے تم اس کی گلی سے یہاں مجھے — آرام جو یہاں ہے نہوگا وہاں مجھے

فصلِ بہار تجکو مبارک ہو عندلیب — بن یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے

رہتی نہیں ہے ذکر کئے بن تو یار کا — رسوا کریگی زار یہ تیری زباں مجھے

حروف السین

پارهٔ از احوال متقدمین

سراج، تخلص از مردم اورنگ آباد در وقتِ **عالمگیر اول** بود از شاگردان سید حمزه علی دکنی روشن طبع معلوم می شود اندیشش بیامرزد **از وست**

اُس بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی — جس رات چاند نہیں ہے ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جانا — کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں — لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل

رت سے گم ہوا دلِ بیگانہ[1] سراج — شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

وہ ظالم مجکو جلتا دیکھکر اتنا نہیں کہتا — کہ کیا ثابت قدم ہے کیو[2] نہو آخر سراج اپنا

---

[1] ذ [illegible]

[2] کیو اصل نسخہ میں بلا نون لکھا ہوا ہے

سالک تخلص دکھنی ہست چند اشعار را در تذکرۂ میر تقی دیدہ شد چوں را با یک دیگر نداشتند لعلم نیاورد۔

سعدی دکھنی بعضے ایں را سعدی شیرازی قرار دادہ اند و بعضے سعدی دیگر یعنی دکھنی واللہ اعلم

ہمنا تمکو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا — تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے کھپر کروں و روکے انجھواں دل بھروں — ہیں سنگ کو یت دھروں پیا سا نجانے میت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ — در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

چوں زبانِ فارسی دریں شامل ست اغلب کہ سعدی شیرازی ست۔

از احوال متوسطین

میر ناصر با وجود بے سر و سامانی سامان تخلص داشت متوطن جونپور اوائل سلطنت محمد شاہ بادشاہ در شاہجہاں آباد آمدہ بخدمت خان آرزو استفادہ حاصل نمودہ از وست ؎

اٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھوکے — کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ — گویا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

میاں سلیمان معشوق عبدالحی تاباں است چوں آں ماہِ تاباں در پردۂ ابر فنا پنہاں گردید ایں عزیز با او الفتے کہ داشت مانندِ گل گریباں چاک کردہ گریاں گریاں از گوشۂ دنیا عزلت گزیدہ چندے بر تالاب فرید آباد با دلِ پُر غم و چشم پُر نم در ولیتا بسر برد بعدہ بطرف الہ آباد رفت تا حال بلباس فقیری بسر می برد خدا ایش سلامت دارد از وست ؎

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طرازی دل — کچھ بھی دھڑکا نہ گیا اسے جگر داری دل

میاں نجم الدین المتخلص بہ سلام خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام در عہدِ فردوس آرام گاہ بود بکمال خلق و اخلاق بسر برد خدا ایش بیامرزد از وست ؎

حکایتِ زلف چشمِ یار سے پوچھ　　درازی رات کی بیمار سے پوچھ

میر سعادت علی، سعادت تخلص از سادات امروہہ مرد سلیم الطبع کم سخن بود فی الجملہ چاشنی درویشی نیز داشت از مریدانِ شاہ ولایت میل ایہام بندی بسیار داشت یک تذکرہ در عشق لیلی و مجنوں کہ دو عاشق و معشوق گزشتہ اند گفتہ و نام او نیز بجائے لیلی مجنوں لیلی مجنوں گزاشتہ، اکثر مناقب او نیز مشہور ہست چنانچہ سواری ہوئی امیر المومنین کی از دست خدا الخ بیا مرزد ایں چند بیت از انست ؎

بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست　　ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں　　یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

مت دکھا اس طرح کی آن مجھے　　جینے دے کوئی دم تو جان مجھے

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے　　زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

مطلع سرِ دیوان او اینست ؎

واللہ جو سرِ لوح ترا نام نہوتا　　ہرگز کسی آغاز کا انجام نہوتا

سلالہ دودمان مصطفوی نقاوۂ خاندان مرتضوی موصوف باوصاف حمیدہ مخلوق باخلاق سنجیدہ شہرۂ انفس و آفاق در لطیفہ گویان و ایہام بندان طاق، سیادت و شرافت نہاد نیک نیت و خوش اعتقاد میر محمد سجاد ہم متخلص بہ سجاد خلف الصدق میر محمد عظیم ابن میر محمد اکرم خان مرحوم سر منشاء منشیانِ پادشاہی مصحح فرامین شاہنشاہی ہمراہی یحییٰ خاں میر منشی وطن آبا و اجداد ایشاں بعد آمدن از ولایت دار الخلافت شاہجہان آباد در ہر امور کہ دخل نمودہ آں را بکمال رسانیدہ علم طب ہم حاصل نمودہ در اکبر آباد بمساکن قدیم استقامت دارند و شوق طلسمات و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی را بمراتب اعلی رسانیدہ اند، خدا سلامت دارد از وست ؎

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نہیں　　جوں فیلِ مست آوے ہے ابر سیہ بلا

گر تیرے گل کے آنے نے کھوئے نہیں حواس — سجّاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل — پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجکو اے سجّاد غیر از خنجرِ بیداد کے — اور بھی کچھ قاتلوں کی دوستی نے پھل دیا

بتاں تو چاہتے سجاد تجھ کوں — کریں لیا پر خدا نے جو نہ چاہا

بتوں کی بھی یہ چاہ دو روز ہے — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

جان و دل سب قبول ہے جانا — پر گلی میں تری مجھے آنا

میں نے جانا تھا قلمبند کریگا وہ حرف — شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا

تیری شمشیر سے جدا ہوکر — سر مرا مجکو تن نہیں دیتا

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح — غصّا ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

اس فصلِ گل میں جوشِ جنوں کا ہوا ہے قہر — جنگل میں آ بسا ہے نکل کر تمام شہر

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ — لاگی ہے جب زمانے سے جلتی ہے دہر دہر

تجھے غیر سے صحبت اب آ بنی — ایسے دوستی ہم سے ہے دمی

لفظ ایسے دوستی زبان قدیم ست یعنی برائے ہیں

بادِ صبا سے زلفِ معطر کی ہم تلک — مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

گلی میں تری بیٹھتے ہیں سجن — ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

جب ہم آغوشِ یار ہوتے ہیں — سب مزے درکنار ہوتے ہیں

ناخدائی ٹک ایک کر ساقی — ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک — تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ کن یہ گزریں گی — ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

دیکھوں طبیب در پئے دارو ہیں کب تئیں — مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

تو روز وصل میں لے بیٹھے پاس کن کن کو — یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں کیا اسی دن کو

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں — زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یار کا جاما ہمیں ہیگا عزیز — یوسف اپنا پیرہن نہ کرے

ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلاں کے — یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

بخوا بازی کہیں سجن ملجائے — لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

جب تلک نہیں پہنچتے ترے آستاں تلک — تب تک ہمارے خاک کی مٹی خراب ہی

کچھ یہ سجاد ہی کے دل کی عجب حالت ہے — ورنہ اس درد کے ہیں دیکھے ہیں بیمار کئی

ماہرو بن یہ شمع مجلس بزم — جیسی روشن تو سب پہ روشن ہی

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجائے اسے — خواہ زلفیں خواہ مژگاں خواہ ابرو خواہ چشم

مرے دیکھکر حال دامان کا — پھٹے کیوں نہ سینا گریبان کا

کیوں مشتِ گل بھی دل کے نہ رونے میں آ گئی — سجاد مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

تیری ان کالی کالی زلفوں پر — کیا گھٹا کی طرح برستی ہے

کیسے جنگل اُجاڑ کو دیکھیں — یہ ہی سجاد دل میں لستی ہے

سرخیِ لب ہر آن میں کچھ ہے — یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے

بس زمانے کی دوستی کا رنگ — آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر — آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر

مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سودا، استاد استادان کامل و سرآمد شعرائے زماں در میدانِ نزاکتِ بیاں فکرش چوں مہر گرم تازست، و در عرصۂ لطافت و قدرت و متانت سخن بازوئے فطرت او چوں تیر راست اندازست، فلک از علو رتبہ فکرش انگشتِ حیراں بہ دندانِ پروین گرفتہ و خورشید از سمو منزلت خاک قدم طبعش را بجاروب مژگاں رُفتہ، اُستاد شعرائے عصر و مقتدائے بلغائے دہر، میدانِ بیانِ او وسیع و طرز معانی او بدیع سپاہ دانش، شاہ و برآسمان بینش ماہ، در قصیدہ و

ہجو بدیعِ فیا دارد، قصائد عذب و دلاویز و بیان ہجو بلند نظمش ضرب انگیز، مردیست از معتنمات روزگار خوش خلق و نیک خو و یار باش، مولدش شاہجہان آباد، سن شریفش بہ ہفتاد رسیدہ باشد، نوکری پیشہ، الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر بوسیلۂ فن شاعری سرافراز ست، در علم موسیقی نیز ماہر است و تصانیف بسیار در نظم دارد، تا حال مثل او در ہندوستان جنت نشان کسے برنخاستہ، اکثر فقیر در خدمت آں بزرگوار میر سد بسیار کرم می فرماید۔ اگرچہ بندہ را چہ یارا ست کہ انتخاب دیوان او نماید دریا را بکوزہ نمیتوان کرد، از انکہ رشتہ دارد محتاج نوشتن کسے نیست۔ حق تعالیٰ بسیار سلامت باکرامت دارد کہ زندگی سخن وابستہ ذات اوست دام اتصالہ۔ ازوست

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا — جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

اے سیر گلشن میں عجب دید ہے لیکن — جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا — گویا ہے یہ چراغ غریبوں کے گور کا

ہم تباں میں جس دم وہ رشکِ مہ گیا تھا — آپس میں سر پری رو منہ دیکھ رہ گیا تھا

کسی دیندار کا فر کو خیال اتنا نہیں آتا — سحر گیا ہو چکا سودا کی سر پر شام کیا ہوگا

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا — نخچیر کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا

سودا جو بے جگ عشق کیا پاس سن آبرو — نقشہ جلے زمانے جب دل دیا تو پھر کیا

ٹوٹے اگر نگہ سے تری دل حباب کا — پانی بھی پیجئے تو مزا ہو شراب کا

موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہے — دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

سو نیا تھا گیا جنوں نے گریباں کو مرے — لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا — سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ

مانگا جو میں دل کو تو کہا بس یہی اک دل — لیسے تو مرے کوچے میں کتنے ہیں اٹھا لا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہی عشقباز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
اس گلی دیکھ کے میں آس کو پکارا نہ کیا　　مڑ کے ٹک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسی کا دین کیا حق نے کسی کی دنیا　　سب کا سب کچھ کیا پر تجکو ہمارا نہ کیا
نہ کیونکر پیچ اے شانہ ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیرِ ناتواں ہی یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا
پرے رہ برقِ خارِ آشیاں اپنے سے کہتا ہوں
اڑیگا دھجیاں ہو کر جو یاں دامن ترا اٹکا
موجِ آتش ہے سیل آنکھوں میں　　شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیری چشم کا مارا　　نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر　　مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
ترا جی مجھسے نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا　　غرض ایسی مصیبت ہی کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا
سودا اسے یوں کہا میں دل اس قدر ہی کھونا　　کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا
تیرے کوچے سے جو میں آپ کو چلتے دیکھا　　جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا
سوجھی تدبیر نہ تقدیر کو بہلانے کی　　جب تجھے قتل پہ عاشق کے مچلتے دیکھا
دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا　　جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا
فرصت ہو باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن　　جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا
جی مرا مجھسے یہ کہتا ہے کہ ٹل جاؤنگا　　ہاتھ سے دل کے ترے اب میں نکل جاؤنگا
قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے نظارے سے　　کیوں خفا ہوتے ہو پل مارتے ڈھل جاؤنگا
چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہتِ گل　　پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا
اس خرابی سے تو مت مجکو نکال اب گھر سے　　تو کہے آج نکل میں کہوں کل جاؤنگا
کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب　　کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب

ٹک جاگ رے تو چھوڑ کر غافل پلنگ خواب
کیا کیا لڑائیاں تھیں سرک سونے میں ہم
ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
سودا گرفتہ دل کو نہ لا و سخن کے بیچ
گل خدمت بہار تھی شبنم صفت میں زرد
سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
غیر کے پاس یہ اپنا گماں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
بہار و باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
روا ہے کہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
اے لالہ گو فلک نے دیئے تجکو چار داغ
بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھسے کیا کرے
فکر معاش و عشق بتاں یاد رفتگاں
گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوبرو
عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے
میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
گر چھپکے کہیں تجکو ذرا دیکھ رہوں میں

آخر کو پھر یہی ہے کہ جاتی ہے سنگ خواب
جاگیں گے پھر بھی بخت کہ ہو دیکھا پلنگ خواب
پر جو رہیں اس کسی کو جو ہو خود نما پرست
ہوں غنچہ سو زبان ہے اس کے دہن کے بیچ
روبا سرا ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ
آئینہ لیکے آپ کو دیکھے ہے وہ ہنوز
زندہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
ہوس میں لیکے خمیازہ کسی نے انگڑایاں لیا
جوہر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
ہوائے ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو
ریائے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
دو دن کی زندگی میں کوئی کیا کیا کرے
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے
نہوں گر اس میں یہ اپنی تو زیر آرام سے گزرے
کس لطف کی امید پہ یہ جور سہوں میں
ہر ایک مجھے آکے سناتا ہی کہوں میں

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ پہ ملتا ہے | خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں | تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
خدا را خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹا بوتے ہو | یہ عارض گل ہو رہینگے عبث سبزہ بھی کھوتے ہو
رقیب میں ہوں زیر آسماں یک جان دو قالب | مخاطب تم بلفظ جان ہم دونوں کے ہوتے ہو
جگر ان کا ہے جو تجکو صنم کر یاد کرتے ہیں | میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں
کس کس طرح کی دیکھیں اس باغ کی فضائیں | کیدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں
صورت میں تو کمتا نہیں ایسا کوئی کب ہے | اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے
کہتے ہیں جسے عشق وہ کیا چیز ہے سودا | جوں ذات خدا جس کو حسب ہے نہ نسب ہے
یاں نہ ذرہ ہی جھمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ | جلوہ گر نور ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

صبحدم آج چمن میں بلبل جو سودا | ق | بیٹھا اک شعر یہ پڑھتا تھا نپٹ درد کے ساتھ
دل کو چاہا تھا کہ خالی کرے مانند حباب | ہو گئی جان ہوا اک نفس سرد کے ساتھ
کہے ہے مجکو جو زاہد کہ تجکو دیں تو نہیں | چھڑا دے خم ہی مرے منہ سے جل نہیں تو نہیں
اس دل کو دیکے لوں دو جہاں یہ کبھو نہ ہو | سودا تو ہووے تب نہ کہ جب اس میں تو نہ ہو
قصہ تو حسن و عشق کا چکتا ہے دل کے بیچ | گر محکمے میں قاضی کے تو رو برو نہ ہو
تنزل میں بھی ہم ہرگز ترقی سے نہ کم ہوتے | جو بنتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے
ہوا ہو دیگا کیا کیا مژدہ ہر مورد تلطف کا | خبر کن حال بدلنے کے اسدم کاش ہم ہوتے
خاک پر بھی تیرے دیوانے کے یہ تدبیر رہے | ہر بگولا طوق ہر موج ہوا زنجیر رہے
تو نے سودا کے تئیں[۱] قتل کیا کہتے ہیں | یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
جن نے پوچھا کہ دل خورسند ہے کہیں دنیا میں | رو دیا اس نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

---

[۱] تیں

مری آنکھوں میں تو رہتا ہی مجکو کیوں رُلاتا ہی
سمجھکر دیکھ تو اپنا بھی کوئی گھر ڈباتا ہے

عیاں ہی شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے
کہ جب کھولے ہی تو اس کو تو وہ لپٹا ہی ہات

اب کے بھی دن بہار کے یونہی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ سجن تم بھلے گئے

پوچھے ہی پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب
ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئے پھولے پھلے گئے

گل پھینکے ہی عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

تصور میں ترے کہیو صبا اس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویرِ نہالی سے

ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آجاتا ہوں
صیدِ خائف کی طرح رو بقفا جاتا ہوں

نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا
سادگی دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

سوچوں ہوں اپنے تئیں جوں سخن رفتہ زباں
گاہ بے گاہ اگر آپ میں آ جاتا ہوں

کیا اشتاب مرا پاؤں تک ڈھلتا ہے
سرکب کا ترے قدم تلے رُلتا ہے

اے غنچہ دہن پیارے ٹک ہنسکر بول
کیا دل ہے مرا تو کہ نہیں کھلتا ہے

میر سوز سلمہ اللہ تعالیٰ شعلۂ عالم سوز و گوہرِ گیتی افروز **محمد میر** المتخلص بہ سوز فقیہ بے مثال و درویش باکمال، منشی بے نظیر و خوشنویس دل پذیر، شاعر شیرین بیان و سخن سنج زبان داں، مجلس نشین دانشمندی قصرِ فطرتش در غایت بلندی، گلدستۂ نثرش چوں گلشنِ حسن دلبران تازہ و گلہائے نظمش در کثرت چوں سپاہِ غم بے اندازہ، فضائلش چوں حسن خوبان عالمگیر و خصائلش چوں خمیازۂ نازِ محبوبانِ دلپذیر، معجز قلم و شیریں رقم رشحات مداد قلمش از دریاے اعواز کلکِ عنبر بارش از بوستان اعجاز رسالۂ در علوم تیر اندازی بر سبیل تذکرہ چوں تیر در راستی بکمال قوت در میدانِ سخن انداختہ و خود چوں کمان از بد رنگی آفاق بگوشہ نشینی ساختہ در عہد خود از جملہ اداسنجان ممتاز، طرز ادا بہ رنگ اوست و خواندن اشعارش از زبان او نیکوست، از خواندنش چناں خوب نماید کہ در گفتن نمی آید، مردیست متواضع و متوکل قابل دوست و جوہر شناس، ابن سید

ضمیر الدین بخاری از اولاد قطب عالم گجراتی بر فقیر بسیار کرم می فرمایند و از کلام بندہ محظوظ بسیار حق تعالی ایشان را سلامت باکرامت دارد ۔ سوز دام افضالہ

میں کس کے ہاتھ لکھ بھیجوں میاں صاحب سلام اپنا — مجھے تو بھول جاتا ہے ترے ڈر کے سے نام اپنا

دل کے ہاتھوں نپٹ خراب ہوا — جل گیا بھن گیا کباب ہوا

جن کو نت دیکھتے تھے اب اُن کا — دیکھنا ہیں خیال و خواب ہوا

یاریوں دور جا بسے اللہ — کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے — آج مجرے کا پھر جواب ہوا

کسی نے روم کی قسمت میں کوئی شام لے آیا — ہمیں کچھ لے نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

صدا ہی در پہ کچھ پیغامبر کی سی خدا جانے — نوید وصل ہے یا ہجر کا پیغام لے آیا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا — آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

کعبے ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا — جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا — تڑپنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

وہ میرے نام سے بیزار ہیں ملنے کے کیا معنی — نہ صاحب وصل کا پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا

کہاں میں اور کہاں اندیشۂ بوس و کنار ان کا — نہ بھائی یہ خیال خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

غم تو کہتا ہے کہ میں تجھکو ستا جاؤں گا — پر مری جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا

مجھ سے مت جی کو لگاؤ کہ نہیں رہنے کا — میں مسافر ہوں کوئی دن کو چلا جاؤں گا

سرا و پر شام آئی اب تلک منزل نہیں پاتا — کہاں بستر بچھاؤں میں کسی کا دل نہیں پاتا

دور سے دیکھتے ہی سوز کی شکل — کیسا بھاگا ہے وہ شتاب شتاب

ایک بوسہ تو مجکو دو صاحب — سنتے ہی منہ پھرایا لو صاحب

مانگتے ہیں ہم اپنے یار کی خیر — آشنے کچھ تو دے بہار کی خیر

ابر کہتا ہے بار بار مجھے — بھیجیو چشم اشکبار کی خیر

کم نہیں ہوتا غبارِ خاطرِ جاناں ہنوز
خاک سے میری جھٹکتا ہی کھڑا داماں ہنوز

غم سے تیرے ہوا یہ سوز دگدا نہ
پر نہ آیا تو اپنی ضد سے باز

یوں کھپ رہا ہی گل کے کلیجے میں خارِ حیف
جیتی ہی عندلیب تو اب تک ہزار حیف

صورت کو دیکھتے ہی گئے ہاتھ پاؤں پھول
گھبرا دیا نہ اے دلِ ناکردہ کار حیف

دیکھا تو کچھ نہ آگے جہانِ خراب میں
کیوں زندگی خلل ہی کیا تو نے خواب میں

پیری میں غیرِ گریہ ہیلا اور کیا ہے سوز
دریا کی سیر ہے تو شبِ ماہتاب میں

نَل نے مرا استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

اس فرشتہ شکل پر کھونا کہ کتنا ہر سوز
بے پروبالی میں جس کی عرش تک پرواز ہے

اُمیدِ وصل جز طمعِ خام کچھ نہیں
ہر صبح کی قسم یہ قسم شام کچھ نہیں

بلبل کہیں پتنگ کہیں اور ہم کہیں
اکٹھے یہ دل جلے نہوئے ایکدم کہیں

گو آہِ منفعل یہاں ہی آتی ہیگی سوز
اندیشہ ہی مجھے نہ نکل جائے دم کہیں

بیٹھ جائے سوز دو دو وقت لیں ایکجا
نا نہ خمار بھیجا ہے ابھی دستار کو

سوز نہ گردشِ غم گردوں کی مت دل تنگ ہو
ہوش کھا کھا دل مرا آپ ہی بادۂ گلرنگ ہو

کس طرح روتے ہوئے دیدۂ تر دیکھیں تو
کس طرح بہتے ہوئے لختِ جگر دیکھیں تو

خوش تو ہوتا ہی کلا دیکھکے نٹ کی عالم
ہوش اڑ جائیں کلا تیری اگر دیکھیں تو

نوکِ مژگاں پہ تو آجائے جھمک کر پیارے
لختِ دل آج تمہارا بھی ہنر دیکھیں تو

یوں تو نکلی نہ مرے دل کی اُمید ہے گا ہے
اے فلک بہرِ خدا رخصتِ آہے گا ہے

ق

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو مدہ ختور کہ گاہے گاہے

دیکھکر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
یوں اشارت سے بتایا سرِ راہے گاہے

اس تنگ وقت میں تو نہ تاخیر شرط ہے
ہے صیدِ نیم جاں اسے تکبیر شرط ہے

جس گلشنِ جہاں میں کہ صیاد کا ہو خوف
رہنا برنگِ بلبلِ تصویر شرط ہے

ہاں مثل گل شگفتہ نہو غنچہ ساں خموش | ماتم سرا میں صورتِ دل گیر شرط ہے
یوں پوچھنا کہ سچ ہے فلانے کو عشق ہے | صدقے ہیں جاں بوجھ بھلانے کو عشق ہے
دل خانۂ خدا ہے خدا لاشریک ہے | یہ اس میں سوز تیرے سمانے کو عشق ہے
اشکِ خوں آنکھوں میں آکر جم گئے | دور سے بھی دیکھنے سے ہم گئے
پاس آکر دیکھنا تیرا بڑا ارمان ہے | مجکو سب مشکل ہے لیکن تجکو سب آسان ہے
اے نکہتِ گل جائیو محفل میں کسی کے | ٹک دل کو مرے ڈھونڈیو تو دل میں کسی کے
بیمار کی آ اپنے سرِشام خبر لے | اس رات خدائی ہو جو ظالم وہ سحر لے
حور خضر ہوس عمر ابد کی نہیں مجکو | اس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس گزر لے
پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح وشام جام | بے یاد دوست مجکو ہے پینا حرام جام
تھے وقتِ نزع منتظرِ کلمہ سوز سے | جنبش لبوں کی دیکھی تو کرنا تھا جام جام
اندوہ سے تیرے مر گئے ہم | رو دیں کیوں کر نہ گھر گئے ہم
کاہے کو تو گھورتا ہے ظالم | کچھ تیکھے نرا مکر گئے ہم
بس بس آنکھیں نکال مت واہ | ایسے غصے سے ڈر گئے ہم
زباں سے ہو سکے کب دلربا تیری ثنا کہنا | مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ وا کہنا
پرکار کی روش پھرے ہم جتنے چل سکے | اس گردشِ فلک سے نہ باہر نکل سکے
رونا بھی تھمگیا ترے غصے کے خوف سے | تھی چشم ڈبڈبائی پر آنسو نہ ڈھل سکے
دل کی قدر و منزلت یاں کچھ نہیں | لاڈ بالی یار کی سرکار ہے
ہم نے کون و مکان دیکھ لیا | پل میں سارا جہان دیکھ لیا
نیستی کے لئے ہی ہستی ہے | ہاں مرے مہربان دیکھ لیا
اشک کب ہوں ترے مستانے کے خشک | کوچے کب ہوتے ہیں میخانے کے خشک
چوری چوری تیرے منہ شاید لگا | ہونٹھ تو ہی منگے پیمانے کے خشک

زلف کے پیچوں میں کیا جا کر دھسی یا الٰہی ہاتھ ہوں شانے کے خشک
اب کے دل میں ہے کہ گوہر رو ئیے ہوں سراسر آب دکھلانے کے خشک
کہوں اک بات میں تجسوں اگر جی کی اماں پاؤں مجھے قربان ہونے دے ترے قربان ہو جاؤں

رباعی

جو میرے عدو تھے اُن سے تو یار ہوا مجھ سے لڑنے کو اب تو تیار ہوا
رہ رہ کے مرے دل میں یہی آتا ہے اللہ تو مجھ سے ایسا بیزار ہوا

اکثر اشعار میر سوز و مرزا رفیع سودا در دیوان مہربان خاں یافتہ میشود ازیں جہت اشعار او را قلمی نکردم انچہ در دستہ نوشتم بر ہماں اکتفا کردم

سلک متاخرین

میر بادشاہ علی سید تخلص شخصے است از سادات بہادر پور کہ مشہور ضلع میوات ست طبع موزوں دارد و دراں دیار عزیز بہر کے ست سلامت باشد ازوست ؎

خدا کے واسطے صیاد تہ کر اب تے دام اپنا کہ گلشن سے لیا ہی تونے خاطر خواہ کام اپنا
شورشیں باقی ہیں دل میں تیرا آتی ہی بہار دیکھئے کیا کیا تنگو فے اب کے لاتی ہی بہار
کیا اب امید کریں وصل کی مرتے مرتے عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے سہتے سہتے

میر سلیم المتخلص بہ سلیم مرد لیست سلیم الطبع از ساکنانِ عظیم آباد تجارت پیشہ خوش اندیشہ بندہ دیرا ندیدہ بزبانی دیگراں شنیدہ کہ گاہ گاہے فکر غزل می نماید و الفاظ را درست می نشاند سلامت باشد ازوست ؎

پڑھائے عشق نے جب ہم کو نکتے علم مستی کے پریشاں ہوگئے اوراق سب دیوان ہستی کے
ہوئی معلوم بو یہ خون دل کے جوشش سے مجکو کہ زخم تازہ پہنچے گا کسی کی نوشش سے مجکو
شراب بیخودی سے کیا بجھی تھی تیغ قاتل کی کہ زخم اس کا نئے جاتا ہی ہر دم ہوش سے مجکو

سلامت اس بیکسی سے ہائے زیر خاک جاتا ہوں
کہ رو دینگے لگا منکر نکیر آغوش سے مجکو

از امرایانِ جہان نواب احمد علی خان ولد افتخار الدولہ بہادر مرزا علی خان دام اقبالہ بخطاب شوکت جنگ المتخلص بہ **سوزاں** جوانیست در فن سخن سنجی یگانہ و در فہم و ذہانت از ہموے زمانہ در وقتیکہ میر ضیا سلمہ اللہ ہمراہ آں نیکو خصال بود گاہ گاہے اشہب فکر را در میدانِ غزل جولان می نمود الحال مدتے شد کہ راغب باین طرف نیست حق تعالی آں سرد موزوں را در گلستان جہان سر سبز دارد ؎

زبس کہ ذکر ترا گرم شب بیاں میں رہا | طپش جگر میں رہی اضطراب جاں میں رہا
اگرچہ کعبے میں پہنچے تو کیا ہوا اے شیخ | بتاں تو دل میں رہے اور دل بتاں میں رہا
قید میں یوسف کو بھیجا واہ یونہی چاہیئے | خوب کی تونے زلیخا چاہ یونہی چاہیئے
مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے | ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے
خوبی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں | اپنا کسی کو کیجے ہو رہیئے یا کسی کے

رباعی

جانے سے نہ پوچھ اس کے کیسی گزری | دشمن پہ نہ گزرے ہمپہ جیسی گزری
جوں مرگ کا وقت گزرے موتا پر ہائے | یہ زیست ہماری ساری ایسی گزری

میاں سکندر عرف گھیسا، از مرثیہ گویانِ متاخرین ست اکثر در زبان پوربی و پنجابی و مارواری مرثیہ گفتہ و بسیار مربوط گفتہ و در قصہ خوانی و عرق کشی نیز ماہر ست۔ یک قصہ ملاح و ماہی و بادشاہ دل خواہ بسیار با آب و تاب نظم نمودہ است اگرچہ علم ندارد ولیکن بر کلام او جائے انگشت نیست بیاں با ہمہ مردم خوش طبعی دارد و شراب میخورد و در نظر بعضے ہا سبک مینماید غرض مرد زندہ دلے ست گاہ گاہ بطرز قدیم شعر میگوید طبعش مائل ایہام بسیار ست سلامت باشد **از وست** ؎

جو دھو کر داغِ دل سب پاک کیجے | تو جاری دیدۂ نمناک کیجے
جلا جو آتشِ غم سے سراپا | علاج اُس کا پھر اب کیا خاک کیجے

حرف الشین

احوال متقدمین شعور دکھنی **شعور** تخلص، ازین شعر شعور او ظاہر ست ؎

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب | روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

شاہ قلی خاں **شاہی** تخلص از ساکنانِ بھاگ نگر بود مدتے بر توسلِ نوکری بادشاہی در بلدۂ حیدرآباد بسر می برد آخر بمنصب ندیمی **تاناشاہ** معزز گردید بیشتر مرثیہ میگفت در ولایت ہندوستان دست بدست می آوردند غفر اللہ لہ ؎

ملنا تمھنکا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ مجھ کہے | کس کس کا مونھ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

احوال متوسطین محمد شاکر **شاکر** تخلص از یاران محمد علی حشمت در علم نجوم ماہر بود طبع موزوں نیز داشت فکرش خالی از درد نیست **از وست** ؎

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا | جو اُن پہ گزرنی ہے گزرے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے | گُل توڑ کے تو تو گود بھر لے

حکیم یار علی **شفا** تخلص در ہماں زماں بود گاہ گاہ دو سہ ریختہ نیز میگفت در طبابت دست شفا داشت خدا بیش بیامرزد **از وست** ؎

جوں ڈانک کے دیئے سے دونا کھلے ہے یاقوت | چمکا تر رنگِ پاں سے جوہر ترے لبوں کا

شاغل تخلص در عہد محمد شاہ بادشاہ بود شاگرد میاں بسمل کہ سابق بر یں گزشت بیتے و مصرعے موزوں میکرد خدا ایش بیامرزد **از وست**، ؎

جاتی نہیں ہے اس سے تری فکرِ زلف و رخ | شاغل کو روز و شب ہے ترا ذکرِ زلف و رخ

شاعر پُر شوق میاں حسن علی المتخلص بہ **شوق** مرد سپاہی پیشہ صاحب دیوان انہ

شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو مدتے در سرکار نواب عماد الملک غازی الدین خاں بوسیلۂ سپہگری بسر بردہ الحال معلوم نیست کہ کجاست شعرش بسیار باندازہ است و مشاقی نیز از کلامش ہویدا است اکثر این غزل او را نغمہ سرایان ہند در ہر دیار میخوانند مشہور است سلامت باشد

ہی غرض اپنی ہمیں یار کے ملجانے سے
اور کچھ کام نہیں کعبہ و بت خانے سے

میں ہوں میخوار و خرابات نشیں بادہ پرست
جی ہی محظوظ مرا گردش پیمانے سے

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے
پر علم نہیں کمر کہاں ہے

اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آویگا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ہی جاویگا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں

ماتم میں میرے کوئی نہ رو یا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ہسنا بھی کم نہیں

آچکا خط بھی پہ تیرا انت نیا اک [illegible] ہے
ہوچکی آخر بہار اور اب نہیں آغاز ہے

بجھیگی آتش دل ہم نے جانا تھا بہار آئی
ہوائے ابر نے دونی وہ یہ آگ بھڑکائی

کیا کیا ستم نہ تھے کہ کئے چشم یار نے
جو سختیاں تھیں مجکو زمانا دکھا چکا

آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا
جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

تیری جفا سہاوے یا جور آسماں کا
انصاف کر تو ایسا پتھر ہے دل کہاں کا

خط مرا پڑھکے یہ جواب دیا
نامۂ شوق کا جواب نہیں

تونے چمن میں اس کو آنکھیں دکھائیاں ہیں
نرگس نے تجھسے تو ہی آنکھیں چرائیاں ہیں

گر عاشقی کرو تو معلوم ہو حقیقت
اے ناصحو تمہیں تو باتیں بن آئیاں ہیں

سنتے ہی نہیں یہ بت گمراہ کسی کی
ان ساتھ کٹے کس طرح اللہ کسی کی

رباعی

اس دور میں یہ تماشہ اکثر دیکھے
تھے وہ جو غلام تاج بر سر دیکھے

اے گنجفہ باز چرخ ہاتھوں سے ترے — اوراقِ جہاں تمام ابتر دیکھے

احوال متاخرین | میر کلو سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ **شاعر** از اقربایان و خویشان خواجہ **میر درد** دام افضالہ، جوانے ست بکمال صلاحیت آراستہ و بعلم و عمل پیراستہ اہل دل، منصف، متواضع، مودب، بزرگ و بزرگ زادہ، فکرِ عالیش رسا و سخن متوالیش خوشنما، دیوان ریختہ مرتب کردہ و بیشتر رباعیات بطور **میر سوز** عمداً گفتہ ہمراہ میاں الم در فیض آباد آمدہ بود بندہ با وے ملاقی شدہ است، خدایش سلامت دارد ؎

ہمیں یارب خبر اصلا نہیں ہے — کہ پیدائش میں دل ہی یا نہیں ہے
تجھے جب سے صنم دیکھا کہے کیا — خدا پر علا ہے بندا نہیں ہے
تری زلف آن الجھی ہے مرا دل — کسی سے آج تک الجھا نہیں ہے
تیغ نگہ لگا تک اور زخمِ دلِ فگار پر — آہ نہیں یہ واہ ہے تیرے ہر ایک وار پر
ہمارا دل لئے جاتا ہے وہ خونخوار کیا کیجے — سوائے صبر کچھ چارہ نہیں ناچار کیا کیجے
گریباں پھاڑ کر کیدھر نکلجاویں ہم اے وحشت — ہوئی ہے زندگی ناحق گلے کا ہار کیا کیجے
وہ سو جاتا ہے جھوٹھی موٹھ بھی ہرگز نہیں سنتا — حقیقت اپنی ایسے شخص سے اظہار کیا کیجے
مثل مشہور ہے **شاعر** کہ سوتے کو جگاتے ہیں — جو کوئی جاگتا ہووے اسے بیدار کیا کیجے
ہم دیکھتے ہیں یوں کسے اے یار جہاں میں — ایک تو ہی تو اس بات کے قابل نظر آیا
دیتے تو دیا آہ دل اپنا تجھے، لیکن — جینا بھی پھر اس بن ہمیں مشکل نظر آیا
گر کہا تک بھی میرا کیجے گا — پھر جو جی چاہے کہا کیجے گا
عوضِ لاکھ جفا ہے یہ ہمیں — ایک گر وعدہ وفا کیجے گا
تک بھی گر چینِ جبیں کیجے گا — پھر نہیں ہم یہ یقیں کیجے گا
اپنے مطلب کی کہے جائینگے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجے گا
تکرار ہو جو ظلم و ستم کی تو کیا مزا — ظالم تبھی ہے لطف کہ ہر دم نئی رہے

میر فتح علی المتخلص بہ شیدا از ساکنان مئو شمس آباد ست پسر خواندۂ **میر سوز**
جوانے بکمال اخلاق متواضع، مؤدب، از شاگردانِ مرزا رفیع **سودا** سلمہ اللہ تعالی،
سپاہی پیشہ است بندہ او را یک دفعہ ہمراہ میاں **آفریں** دیدہ است، طبعش بلند افتادہ
از کلامش بوئے دردمندی ظاہر است ؎

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں ۔ اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
آئے تھے کیوں عدم سے کیا کر چلے جہاں میں ۔ یہ مرگ و زیست دونو آپس میں ہنستیاں ہیں

لالہ خوشوقت رائے، شاداب تخلص، مولد او چاندپور ندیہ ست، منشی است
نثر خوب می نویسد در ہمچشمانِ خود باعزاز و اکرام بسر می برد، خدایش زندہ دارد ؎

دیکھ اُس کے منہ پہ زلفِ سیہ فام کے تئیں ۔ کیا زیب دی ہے کفر نے اسلام کے تئیں

واقعی ایں کافر مضمونے خوب یافتہ است کہ کفر از وی می بارد ولہ ؎

بس ہو چکی شفا تو دلِ زار کے تئیں ۔ اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
جب تک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا ۔ تیرے ہوتے بھی کھینچے ہی کوئی تلوار کو

میر محمدی شرف تخلص، برادرزادۂ نواب خان دوران مرحوم، بندہ ندیدہ
لیکن اکثر از زبان یاران شنیدہ کہ طبع خوبے دارد و با بزرگ ست بیشتر بطور نام علی
مرزا جلال اسیر ریختہ میگوید حالا در شاہجہان آباد است ؎

عکس ہے کس مہ جبیں کا دلنشینِ آئینہ ۔ ہمتکِ کبکِ دری ہے سرزمینِ آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند ۔ جلوہ گر ہے آسماں زیرِ زمینِ آئینہ

میر محمد شفیع سلمہ اللہ شخصے است مجمعِ اخلاق و منبعِ اشفاق، عاشق ریختہ گویاں
و در جمع نمودن اشعار آن حسنِ طبعش پویان، با میر و مرزا و میاں قائم یکجا صحبت داشتہ
الحال بہ لکھنؤ در عالم تجرید بسر می برد و اقبو نیست گاہے یک دو سہ بیتے خود ہم میگوید
خدایش سلامت دارد از وست ؎

رات کیا ہو گیا تھا تجکو شفیع | جب کھلی آنکھ ہے روتے دیکھا
غیر سے ملنے کو کریں گو نہ منع | دل میں تمھارے تو جیا چاہیئے
یار کا پابوس نہیں دور کچھ | اپنے تئیں خاک ہوا چاہیئے

حرف الصاد

احوال متقدمین صبائی، تخلص، احمد آبادی ست از وست

زر نہیں تو ہی جدائی دنیا میں جو ہی زر کہ | زرسے ہی آشنائی زر سے ملے ہی بھائی

سلک متوسطین صفدری، تخلص شخصے گزشتہ است از وست

شمع کافوری پہ یہ فانوس مینا دیکھیو | سبز جامہ پر میں پی کے رنگ بھبنا دیکھیو

نور حدیقہ محمدی و گل بوستان جعفری سلالہ دودمان مرتضوی و مصطفوی میر جعفر خاں ابن میر محمد خاں ولد میر سید محمد قادری نور اللہ مرقدہ **صادق** تخلص، جوانے بود بکمال خوبی و فصاحت و بلاغت و صلاح و تقویٰ۔ در فن شاعری مستعد، طالب علم جید طبعش بغایت متین و نظمش نہایت مبین **بہارستان جعفری** کتابے از تصنیفات اوست اصلش از شاہجہان آباد ست، بر نالہ بیرم دی درگاہ جد اوست میر سید محمد، او نجا مجلس دوم ہر ماہ می شد، مردم بسیار می آمدند و قوالان میخواندند و صوفیان بوجد می آمدند۔ از چندے شنیدہ میشود کہ بہ رحمت الٰہی واصل گشتہ ہماں جا مدفون است غفر اللہ لہ

فصل کے شور نے عاقل بھی دیوانے کئے | شیخ بھی چاہیئے ہے آج تو رندانہ پیئے
یوں پئیں غیر شراب اور مثال نرگس | ہم رہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پیمانہ لئے
لوح پر زلف کے مارے کے لکھا دیکھا تھا | موئے بھی لہر نہ کئے اے ترا کاٹا نہ جیئے
دل ہے یہ یا کباب ہے کوئی | عاشقی بھی عذاب ہے کوئی

شرم سے نام تو نہیں لیتا　　پر ہمارا خطاب ہے کوئی
مجکو قدرت بھی خدا کی نظر آتی ہے بڑی　　تیری سمجھتے ہیں وہ باتیں کہ کسی کی نہ سہیں
ہم اگر جیتے رہے بھی تو بھلا کیا حاصل　　دیکھتے ہیں کہ تری ہم سے وہ آنکھیں رہیں

صابر تخلص کسے گزشتہ است از سلک متوسطین، سرسری میگوید کلامش بہ پختگی نرسیدہ است از وست ؎

ناز اس طرح کیا کہ ادا کو نہوئی خبر　　جور اس طرح کیا کہ جفا کو نہوئی خبر
صابر نے اپنے یار کے پاؤں پہ سر کو دھر　　جی اس طرح دیا کہ قضا کو نہوئی خبر
سارے عالم میں جو بڑا تھا شوخ　　میری قسمت میں وہ دھرا تھا شوخ

میر محمد علی صبر تخلص، از سلک متاخرین ست، بیشتر مرثیہ میگوید، از متوسلان بی خانم صاحبہ۔ با وجود یکہ او ہم در فیض آباد میباشد لیکن بندہ او را ندیدہ و اشعارش شنیدہ مگر مرثیہ، خدااش سلامت دارد ؎

گو کہ دلبر نے مجھ پہ جبر کیا　　میں بھی دل دیکے اس کو صبر کیا
غم ہجر صنم میں رات دل کی بیقراری سے　　نہ تھی فرصت مجھے وقت سحر تک آہ و زاری سے
فروتن تجھ سا کوئی اے صبر دنیا میں نہو دیگا　　زمیں میں گڑ گیا آخر تو اپنی خاکساری سے

حرف الضاد

درین فصل کسے از قدما منظر نیامدہ مگر در سلک متوسطین۔ نیر آسمان سیادت گوہر بحر شرافت ذکاے وے بکمال ضیا و بہائے او در نہایت بہا المتخلص بہ ضیا بدریست از سپہر کمال و صدریست از مجلس جلال، شمعیست پر ضیا و عاشقیست با صفا طبع عاشقیش بندہ دل و جانش گداز و دردمند طرزش مانا بطرز مولانا نسبتی نوعکہ

شعر پر دردش بر جگر عاشقاں نشتر زار لیست و برائے سوختگانِ عشق شرار لیست، اکثر در غزل زمینِ سنگلاخ گفتن و الفاظ نامقبول را در بندشش مقبول دلہا ساختن کار او ست۔ اصلش از شاہجہان آباد، از چندے بطرفِ عظیم آباد استقامت دارند۔ پسر راجہ شتاب رائے بطریق تدر کم و بیش خبرگیراں می باشد۔ شنیدہ ام کہ او ہم فکرِ شعر میکند لیکن تا حال نشنیدہ ام، اکثر شاعرانِ آں دیار اصلاحِ سخن از میر موصوف می گیرند۔ بندہ ہم استفادۂ سخن ازاں بزرگوار حاصل نمودہ۔ استادِ فقیر مؤلف کتاب ہمان ہست غرضکہ ہمچنیں آشنائے درست در آشنائی ندیدہ و نشنیدہ، متواضع، مؤدب، اہل دل، منصف مزاج، دردمند از ہر کہ شعر پُر درد شنیدند محظوظ شدند و گریستند، دیوانش ترتیب نیافتہ است، قصیدہ ہجو و مثنوی و رباعی کم گفتہ بیشتر غزلیات ازاں مشہور است، خدا سلامت باکرامت دارد

جمع کرکے درد سارے تونے پیدا دل کیا
کہ تو اے دستِ قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا

کیا مزے سے جی نکلتا جو وہ ٹک پھر دیکھتا
کام آساں ہچکیاں قاتل نے مرے مشکل کیا

باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا
آہ یہ غنچہ تو کچھ، کھلتے ہی کمھلانے لگا

قیس دیوانہ ہو اور کوہکن جس سے موا
عشق ہم کو بھی وہی اب کام فرمانے لگا

ایک دن وہ تھا کہ روز و شب رہے تھا پاس ہائے
اب خبر بھی بھیجنے سے ہم کو ترسانے لگا

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق
اس کے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

میں نے کل پوچھا ضیا نے دل کو کیدھر کھو دیا
اس نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹک بس رو دیا

دیکھیو اے دوستاں چپکا ضیا کیوں ہو گیا
مرگیا بیتاب ہو یا روتے روتے سو گیا

ضیا ہو کون کیا جانوں ترے گھر میں جو آتا تھا
کوئی حسرت سے پھر پھر دیکھ ادھر روتا جاتا تھا

برس لے ابر تھمنا چاہے تو اب تیری باری ہے
کبھی ز(؟) تھا تو میں بھی رو رو اک دریا بہاتا تھا

کیوں گریباں دمبدم کرتا ہے اپنا چاک تو
ہاتھ سے ترے ضیا کس گل کا دامن چھٹ گیا

آہ کرتے دہک سے گئے ہیں ہم
کیا شتابی بھڑک گئے ہیں ہم

آپ کو آپ میں نہیں پاتے — آہ کیدھر بہک گئے ہیں ہم

جوں چنار اس جا نہ پھولے ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم — جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

جیسے دو ہمدرد آپس میں کریں غمخوارگی — دل ہمارا درد اپنا دل کا غم کھاتے ہیں ہم

جان کر زلف دل نہ دھس اس میں — دام ہے دیکھ تو نہ پھس اس میں

ہو قلمرو میں حسن کے سب کچھ — اک نہیں ہے سو داد رس اس میں

دل تو غنچہ جھڑ پڑا افسوس — رہ گئی کھلنے کی ہوس اس میں

ہوں میں بے صبر رونے دو مجکو — کچھ کہو مت اے ناصحو مجکو

مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں — ہاتھ سے لے صنم نہ کھو مجکو

خط نوشتہ میں اس واسطے بھیجوں ہوں دلبر کو — کہ لکھتا شوق میں گر کچھ تو لکھنا ایک دفتر کو

پڑی برقِ تجلی ایسی ازلی لن ترانی پر — کہ موسیٰ ہووے بے خود اور ہو دیدار پتھر کو

آہستہ پانوٗ رکھیو لے بوئے گل چمن پر — سوتے ہیں اس زمیں میں نازک دماغ کتنے

جوں گل اگائے منہ سے پھرتے تھے آگے اہا — ہوتے ہو دیکھ ہم کو اب بے دماغ کتنے

ق

تربتِ ضیا کی دیکھی کل رات دور سے میں — آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے

جا کر جو آج دن کو دیکھا میں کر تفحص — اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

ایں مضمون را از میر ضیا سلمہ اللہ شنیدہ سلام اللہ خاں تسلیم در فارسی ترجمہ نمودہ بنام خود شہرت داد ایں ندانست کہ در نظرِ صورت شناسانِ معانی اقتباس و فرزند پوشیدہ نمی ماند مثل ہندی مشہورست

"ہاتھی پھرے گانوٗ گانوٗ جس کا ہاتھی اُس کا نانوٗ"

مضمون فارسی اینست تسلیم ؎

دوش رفتم بر مزارِ کشتۂ تسلیم خویش — می نمود از دور صد شمع و چراغِ حسرتے

چوں شدم نزدیک، دیدم از تفحص ہا بسے　　یکدلے میسوخت باوے چند داغِ حسرتے

ضیا

سب اُمید اپنی کر حصول گئے　　اک ترے در سے ہم ملول گئے

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا　　ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

نرکھ محروم بوسے سے ہیں قاتل کہ مرتے ہیں　　جو مانگے سو اُسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں

پلادے آبِ خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں　　جو کوئی مرتا ہے اُس کی حلق میں پانی چواتے ہیں

یہ ماتم کس دوانے کا ہے یارب آج صحرا میں　　کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں

برعکس وضعیں آئیں اس کے نباہنے کی　　شاید یہی ہے تاثیر اس دل کے چاہنے کی

جلدی ضیا خبر لے آتی ہے تجھ جگر سے　　آواز ناتواں سی دل کے کراہنے کی

رو دیں ہم بزموں کو کیا اپنے دنوں کے پھیر ہیں　　شمع محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہیں

کل جو تو گلشن میں آ کر پھر چمن سے مڑ گیا　　چپکی لگ گئی بلبلوں کو رنگ گل کا اڑ گیا

ایک ٹکڑے ہو ناصح تو تو سیتو سے چاک تو　　پرزے پرزے ہے یہ سینا کیا سیئے گا خاک تو

ٹک آہ بچ نکل نہ کہیں دل تھلک پڑے　　یہ جام بھر رہا ہے مبادا چھلک پڑے

تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا شمع سے　　اک آہ اُس نے کھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے

کسی کا نام لے کوئی عشق اپنا یاد کرتا ہے　　مروں ہوں بدگمانی سے کہ شاید تجھ پہ مرتا ہے

کسی دشمن کی بھی یارب گزرے شب جدائی کی　　کہ جیسا اُس سے میرے وصل کا یہ دن گزرتا ہے

ضیا کیا درد مزمن ہے ترے دل میں میاں سچ کہہ　　کہ جو تو بات کرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہے

کیا جور کیا تعدی جو کچھ کرو بجا ہے　　بدلا ہے دل دہی کا اس کی یہی سزا ہے

برعکس حال اپنا میں کیا کہوں عزیزاں　　جوں جوں اِدھر وفا ہے توں توں اُدھر جفا ہے

یہ آہ زد ضیا کے دل کی تباں خدا دے　　تم اس کو گالیاں دو اور وہ تمہیں دعا دے

دل مجھے پھر اُسی کوچے میں لئے جاتا ہے　　دن کو ہے قتل جہاں رات جہاں شبخوں ہے

کر تبسم یں کیا خلق کو ساری تسخیر
مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

اس گلی کا جو گرد ہوتا ہے
در بدر شہر گرد ہوتا ہے

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا
آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں
ناصح یہ کیا کروں کہ مرا دل یہ بس نہیں

نہیں کھلنے کی امید ہی نہیں بو کی آس ہے
غنچہ ہوں دل کا مجھ میں فقط داغِ یاس ہے

تم تو ہمارے پاس سے جاؤ گے کل یہ ہائے
اپنی نظر میں آج جہاں سب اداس ہے

دل تیرے پاس ہی کہ نہیں خیر ہی ضیا
کچھ ان دنوں میاں تو بہت بے حواس ہے

گریاں و خاک اڑاتا جوں ابر جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو
خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہیں ڈھونڈتی کس کو

ہم نہ مثمر نہ ہی نہال ہوئے
اُگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے

دل جگر اشکوں میں بہ گئے یوں رنگ کر رہ گیا
جوں جدا ہو قافلے سے کوئی تھک کر رہ گیا

دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی نے رحم سے
خود بخود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

ہر طرف زخم زخم تھا ہر سو سے داغ تھا
دل بھی ضیا ہمارا کبھی رشکِ باغ تھا

کعبے میں چھپ رہا ہے یا دیر میں نہاں ہے
خانہ خراب جلدی تو بول اٹھ کہاں ہے

آہوں سے سلگوں کب تک اے شعلہ تو بھڑک اٹھ
بجلی کی طرح مجھ پر یکبارگی کڑک اٹھ

تم تو غبار جاں کے دامن جھٹک اٹھے
یہ میری حسرتوں کو زمیں پر پٹک اٹھے

کیا کہا قاصد ضیا سنتے ہی جس کے مر گیا
بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

رباعیہ

کیا عیش و نشاط شادمانی کرتے
کیا ناز و نیاز جاودانی کرتے
گر بار نہ رنج اپنے ہوتا تو ہم
کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے

مولانا میر غلام حسین المتخلص بہ ضاحک ابن میر عزیز اسد والد این فقیر مؤلف
از سادات عالی شان سپہر مکان عالم و فاضل، ناثر و ناظم بغایت فہیم، ہزل دوست،
مزاح پسند بذلہ گو و نکتہ سنج، درویش مزاج، متوکل، از سی سال ترک روزگار نمود
بکمال بے پروائی بسر می برند در فہمیدِ علم موسیقی گوش شنوا و در فکر آورد فکر رسا۔
با وجود قوت آں علم کہ در ہجو مولوی ساجد بکار بردہ اند چوں طبائع سامعان را در خورِ
سخن بلند نیافتند بقدرِ حوصلۂ آنہا بہ طرف ہزل توسن قلم راندند لیکن زبان عجیب و غریب
اختیار کردہ اند کہ از آدم تا ایندم کسے نہ گفتہ چنانچہ یک مطلع ترقیم مینماید مشت نمونہ
یا ایہا الملائکہ کرتے و جھلانکہ کل تو جی پرا بیہ فرو بکا سیرہ
غزل ایشاں کم از بیست پنجاہ بیت نمی باشد و بر ہر غزل و ہزل پارۂ نثر نوشتن نیز
شعار او شانست، چوں گنجائش دریں پارچہ کاغذ نبود از ہزل گزشتہ بر غزل اکتفا
نمود تا زور و قوتِ ایں علم ہم مفہوم گردد، حق تعالیٰ ایشاں را ہمیشہ بر سر ما خوش و خرم
سلامت نگہدارد ولہ

درپیش اگر روزِ اجل آہ نہوتا قصہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہوتا
کیا دیجئے اصلاح خدائی کو تو لیکن کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہوتا
اُس آن تھمے آنسو جس آن کہ جی ڈوبا تب جان سے ہم اٹھے جب دیدۂ نم بیٹھے

ولہ

رباعیات فارسی در مدح امام علیہ السلام

کشاف حقائق و نکاتِ توحید آں راکبِ دوشِ احمدی شاہ شہید
خود معنیِ آیات کلام اللّٰہی ست تفسیر حسینی است بہ قرآنِ مجید

افسوس دلا کہ غمگساراں رفتند ـ ہمیں بدنان گلعذاراں رفتند
چوں بوے گل آمدند بربا د سوار ـ درخاک چو قطرہ ہاے باراں رفتند

حرف الطاء

مرزا طالب طالب تخلص از متوطنان قصبہ بربند ہست کہ متصل اورنگ آباد واقع ہست، جوان عالمگیری بود، ایں شعر بنام او دیدہ شد ؎

ہمنا کے خونِ چشم سے آلودہ کب کرے ـ وہ پگ جسے گرانی ہر رنگ حنا سیتی

حرف الظاء

ظہور تخلص، جوان محمد شاہی از سلک متوسطین بود معلوم نیست کہ کجاست ؎

کچھ کٹی وصل میں کچھ ہجر میں گریاں گزری ـ کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری
چشم گریاں حسن سے معمور ہے ـ چاندنی برسات کی مشہور ہے

حرف العین

اول از متقدمین عزیز اللہ دکھنی از اورنگ آباد ہست یک غزلے گفتہ است کہ نام ہمہ اولیا را درو درج نمودہ مقطع آں بیاد بود، قلمی منماید ؎

مجھ ناتواں میں کیا سکت جو بولوں الیاں کی نعت ـ عاجز عزیز اللہ پر دکھن کے سب پیراں مدد

خواجہ عطاء اللہ عطا تخلص، شخصے در عہدِ عالمگیر بود، او باش وضع، موافق طور خود شعر بلند میگفت، ہندی و فارسی ہر دو۔ نقل ست کہ بادشاہ دیں پناہ ایں را نا برگناہے گرفتہ حبس نمودہ بود، روزے بحسب اتفاق بادشاہ عالی جاہ مصرعے موزوں کرد از کسے پیش مصرع او خوب بہم نیرسید ایں سخن قال قال بگوشش عطا رسید گفت

اگر مرا غلاص نمایند میگویم چنانچہ پیش ملک بایں وسیلہ بر دند، پادشاہ فرمود کہ مصرع ما نیست
ع بسترم خاک وخشت بالین است
عطا گفت قرابت شوم
ع یکے از سرگزشتِ من اینست "
باوجود ایں فکرِ عمدہ طرزِ خود را ایخیں مقرر کردہ بود خدا پیش بیامرزد از وست ؎

اے در نبرد حسن تو کٹی پچھاڑ چشم — زیرِ مژہ نہفتہ چو آہو پچھاڑ چشم
بر فلک شب نمی طپد انجم — دلِ رستم ز بیم می دھڑکد
دست و پا میزند عدو در رن — ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

حرف العین

احوال متوسطین، محمد عارف المتخلص بہ عارف اکبرآبادی است متصل دہلی دروازہ شاہ جہان آباد دکان دارد، رفوگرست، حالا سنِ او قریب ہفتاد رسیدہ باشد از ہیام بندان ست اکثر شعرائے ہم مشرب او او را بہ استادی ستودہ انداز بسکہ بسیار کم میگوید خوب میگوید سلامت باشد ؎

دخترِ رز سے کہہ کہ اُس سے ملے — ورنہ عارف افیم کھاوے گا
ہزاروں معنیِ باریک آویں دل میں اے عارف — اگر زلفِ سیہ کا پیچ اس کے مُنہ پہ کھل جاوے
جنوں کی قطع اب پوشاک سیئے کیجئے — بہار آئی گریباں چاک سیئے کیجئے

عاجز تخلص، در عہد فردوس آرامگاہ از شاگردانِ میاں کمترین بود از وست

دل بغل مارے لئے ہوتے ہیں سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اپنی سے گلستاں دوڑیو

سید عبد لواسع **غزلت** تخلص، متوطن سورت ولد سید سعد اللہ قدس سرہ، درویش وضع، عالم و فاضل، متوکل، فارسی ہم میگفت لیکن مائل ریختہ بسیار بود، در وقت محمد شاہ تازہ وارد ہندوستان بود بہرہ از دردمندی داشت ؎

نخلِ امید بے وفاؤں سے ۔۔۔ جی سلامت رہے تو پھل پایا
چینِ ابروئے بتاں سے مرا جی الجھا ہے ۔۔۔ دل کھلے گر کبھو دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ ۔۔۔ یارب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑا جاوے
نہ پوچھو ہو کے کیفی چشم یہ سرمہ نے گھیری ہے ۔۔۔ گریباں گیر ظالم کے سجن فریاد میری ہے
بجز رفاقتِ تنہائی آسرا نہ رہا ۔۔۔ سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

رائے سکھرام **عاقل** تخلص، متوطن پنجاب، طبع موزوں داشت گاہ گاہے فکر میکرد ؎

نہ بس اپنے سے کیا اس کو میں رخصت **عاقل** ۔۔۔ جب مرا بس نہ چلا میں نے خدا کو سونپا

عزیز شاعرِ زبان دان، منشی خوش بیان غنچہ باغ تمیز رائے بھکاری داس المتخلص بہ **عزیز** سیلِ طبعش رواں و توسنِ خامہ اش دواں، مرد لیست سیہ فام و جسیم مشاق قدیم از شاگردانِ خواجہ میر درد، مولدش شاہجہان آباد از مدتے در الہ آباد بسر میبرد سلامت باشد ؎

ساتھ سے نکلے ہے جی آہ جگر آخر شب ۔۔۔ شمع ہو بزم سے سرگرمِ سفر آخر شب
دل پہ غفلت نے کیا پیری میں اس طرح ہجوم ۔۔۔ نیند جس طرح کرے آنکھوں میں گھر آخر شب
ملیں کیونکر بھلا اس شوخ طفلِ لاؤبالی سے ۔۔۔ کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویر نہالی سے
دلِ بے معرفت سے خار پہلو بیچ بہتر تھا ۔۔۔ بغل میں کاش ہوتا سنگ اس مینائے خالی سے

رباعی

دن تو گزرے ہے اشکباری کرتے ۔۔۔ اور رات تمام آہ و زاری کرتے
گر روزِ فراق ہم کو ہوتا معلوم ۔۔۔ واللہ کہ ہم نہ تجھ سے یاری کرتے

شعر

کہے نہ یار اگر دل کو صاف کینے سے　　غرض موت بھلی پھر تو ایسے جینے سے

عسکر علی خاں شخصے بود عمدہ روزگار، بطرف بنگالہ، طبع موزوں داشت ؎

روتے روتے نہ رہا نام کو نم چشموں میں　　آبرو کیونکہ رہیگی مری ہچشموں میں

غازی الدین خاں، عاجز تخلص شخصے بود در عہد فردوس آرامگاہ، اکثر در بحر کبت و دوہرہ ریختہ می گفت چند اشعار او دیدہ شد چوں دریں بحر خوشنما نبود بنگارش نیاورد۔

از احوال متاخرین نواب معلی القاب غازی الدین خاں عماد الملک، کتاب باع طبعش صحیح و بیان معنیش یمیح، دستگاہِ فضلش وافی و شراب نطقش شافی، ولی صدر عالی قدر بر جمیع علوم قادر، در فنونِ سخن ماہر، از وزرائے ہندستان در عہد خود بودہ الحال سروکار بایں عہدہ ندارد ہفت قلم و ہفت زبان ہست، اشعارش باپ سبب اشتہار نیافتہ کہ شعرہائے خود را سر مہر گزاشتہ و یکسے ارزانی نفرمودہ، نظر بران ہست کہ در شعر پست و بلندی می باشد منتخب نمودہ اشتہار باید داد سوائے ایں چند بیت بگوشش نخوردہ از وست ؎

دل گرمیِ نگاہ سے بیتاب ہو گیا　　جب تک اُسے میں تھا بھوں کہ آب ہو گیا

زلف کا کھولنا بہانا تھا　　مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

بس اب اس سے مت زیادہ ہمیں داد خواہ کیجو
تجھے اپنی ہی قسم ہے ٹک ادھر نگاہ کیجو

ٹک ادھر دیکھ سجن، ہم بھی تو جی رکھتے ہیں
گو کہ ظاہر میں ہم اب دست تہی رکھتے ہیں

صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم محمد عظیم المتخلص بہ **عظیم** مرد لیست شاعر در بخش ظاہر حسن بیانش از کلامش پیدا بر سادہ عذاران شیدا، از شاگردان مرزا رفیع **سودا** سنہ ۱۱۸۸، مدتے در فرخ آباد بلباس درویشی بسر بردہ الحال شنیدہ ام کہ در شاہجہان آباد دست بلوہ یکہ پیش از درویشی داشت غرضکہ بہر رنگے کہ باشد خوش باشند **ع**

اس قدر تیھر نے کب پایا تھا یا رو رنگ سرخ — کوہکن کے خون کی دولت ہوا ہی سنگ سرخ

آکر ہماری خاک پہ کیا یار کر چلے — خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

کیا سحر تھا نجانوں کہ گلشن میں آن کر — بلبل کو گل کی شکل سے بیزار کر چلے

خواہی پیالہ خواہ سبو کر ہمیں کمال — ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

خان مہربان علی اعظم خان، **عاشق** تخلص از مریدان مرزا گھسیٹا **عشق** تخلص برادر بزرگ میاں محترم خان است کہ **محترم** تخلص دارد، در اوائل فکر سخن کم کم میکرد از چندے ترک دنیا نمودہ مشغول در یاد الٰہی است، سلامت باشند **ع**

شمع کی طرح کون رو جانے — جس کے دل کو لگی ہو سو جانے

روز و شب یار سے ملا کیجے — چین اس پر نہو تو کیا کیجے

جتنے جور و ستم ہوں تو کر دیکھ — یہ نہوگا کہ کچھ گلا کیجے

مرزا عسکری شخصے است در مرشد آباد از یاران شاہ قدرت اللہ **قدرت** یک مطلع اند بگوشش خوردہ **ع**

بات اب امتحان پر آئی — قصہ کوتاہ جان پر آئی

اے اشک تو اس کوچے میں اب مجکو ڈبا دے — چاہے ہے صبا یہ کہ مری خاک اڑا دے

خورشید سپہر حال و سپہر خورشید کمال مالک کنوز دقائق و کاشف رموز حقائق کلامش بمذاق تصوف آشنا و نور صفاے باطنش چو دل آئینہ صبح دل کشا در عین صفا، عارف صاحب کمال د

درویشِ ہمثال عرف مرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق، مرد صوفی است کہ خیل مریداں و معتقدان حلقہ غلامی دارند، در سلسلہ نقشبندیہ نقش زدہ، اصلش از شاہجہان آباد است پیشتر نوکری پیشہ بود والحال از مدتے ترک روزگار نمودہ بہ عظیم آباد مقیم است، مرزا فدوی از شاگران و معتقدانِ اوست شعر عارفانہ در کلامش بسیار است گاہے در ذوق و شوق یا بعالمِ وجد، دو سہ شعر میفرماید دام افضالہ

آہ جانسوز کو بسم اللہ دیوان کیا　　عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا
کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم　　تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جان نہو عہد دل حکمی　　تو نے کہا مر تو مر گئے ہم
تھا کعبہ و دیر سے کسے کام　　مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم
جز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو　　طرفین سے بے خبر گئے ہم
تصرفِ چشم کا گر میں دکھاؤں　　تو اک پل میں ابھی طوفاں اُٹھاؤں
یہ ہر دم بلبلا سا پھوٹتا ہے　　کہاں تک شیشۂ دل کو بناؤں
خانماں کر چکا ہوں میں برباد　　اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا
خاک جو شہر میں لگی اُڑنے　　عشق کیا چشم تر نہیں آتا
نے دودِ دل ہے باقی نے آہ و نہ فغاں ہے　　اے سوزِ عشق سچ کہہ تو اِن دونوں کہاں ہے
رونقِ بوستان کیا کیجے　　تو نہو تو یہ جان کیا کیجے
ڈرسے اُس کے زباں پہ حرف نہیں　　تشنہ ہے بدگمان کیا کیجے
بے نشانی ہے یار کو منظور　　عشق نام و نشان کیا کیجے
حرم میں نام سُنا دیر میں نشاں دیکھا　　سوائے تیرے نہ دیکھا اگر جہاں دیکھا
اُسی کا آئینہ ہر دو ہزار عالم ہے　　دوانے لیلیٰ میں تجھ سی کہاں کہاں دیکھا
نہ عزمِ وادیِ ایمن نہ طور کا ہے قصد　　جو کچھ کہ دیکھنا تھا دل میں سب عیاں دیکھا

دل سا جگر بہ رکھئے سو اُس سے دُو بدُو ہو — مُنہ دیکھو آئینہ کا جو اُس کے روبرو ہو
کیا کیا جفائیں ظالم میں نے تری سہی ہیں — پھر شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
بر(؟) کہ بعد قتل مجھکو کس طرح چین آوے — جو حسرتیں تھیں دل کی سو جوں کی توں ہی ہے
اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سیئے ہے — یہ عاشقِ جانباختہ کس دن کے لیئے ہے
زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام — دوسری پھر اُسے نہ آئی شام
کعبے میں بہت خاک اُڑائی ہم نے — بتخانے میں صورت بھی نہ پائی ہم نے
آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور — دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے
دل لے کے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے — ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون ہے
پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے مل کے مل — ذی حقیقت تب نظر آویں یہ خشتِ گل کے گل

حرف الغین

از احوال متقدمین **غوثی** تخلص محمد غوث خلف مولانا قطب الدین گجراتی قاضی حیدرآباد صاحب حال و قال بود گاہ گاہی بمقتضائے موزونی طبع دو سہ ریختہ میفرمود آخر بزیارتِ حرمین رفت، ہمانجا جان بجان آفرین سپرد غفر اللہ لہ ؎

تیغِ بھواں سی کن کہا گھایل نکو کرو — پلکاں کے یا خنجر سیتی بسمل نکو کرو

غواصی تخلص در وقتِ جہانگیر پادشاہ بود، طوطی نامۂ نخشبی را نظم نمودہ است، بزبانِ قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی بطور ریختہ، لیکن سرسری دیدہ بودم شعر آن نظم یاد نیست۔

غریب تخلص در سیاحت دکھنین بود معاصر میاں آبرو طبع معقولے داشت ازو ہمیں یک غزل مشہور است ؎

دیکھ دسا رنگینی ساقیِ سرشار کی — ڈھلگئی ہیں آج انکھیاں نرگسِ بیمار کی
بات رہیو نگی قاصد طاقت رہنے کا نہیں — دل تڑپتا ہے شتابی لا خبر دلدار کی

ای دل اس ماہرویاں کی مہربانی پر نہ بھول | جی کا دشمن ہی جو وہ کرتا ہی باتیں پیار کی
حال کہنے کا کبھی جو وقت پاتا ہی غریب | بھول سب جاتا ہی باتیں دیکھ صورت یار کی

میر تقی غریب تخلص دیگر در سلک متوسطین بود احوالش معلوم نیست ازوست

الٰہی مت کسی کے پیش درد انتظار آوے | ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

محمد امان خان غریب تخلص در سلک متاخرین در شاہجہان آباد در وقت احمد شاہ بود بطرف بنگالہ رفت ازوست

میری بغل میں جو دل پر داغ ہی غریب | حسرت چمن کی کھانے کو یہ باغ ہی غریب

غلامی تخلص در شاہجہان آباد بود از قوم ارذل بہ پیشۂ خبرداری نوکری داشت لیکن در فن شعر بکمال بے خبری بسر برد مگر طبع موزونے داشت ازوست

سُرخ لاتی ہیں نشے بیچ جو ڈورے انکھیاں | دل زخمی پہ لگاتی ہیں ٹکورے انکھیاں

حرف الفاء

ازاحوال متقدمین **فخری** تخلص از مردم دکھن بود شاگرد ولی

جب دیکھوں ہیں تجھ تو چکا چوند لگ رہے | ہرگز کہیں دکھا ہے نظر بھر کر آفتاب

فراقی تخلص از مردم دکھن بود ہمراہ نصر اللہ آزاد بہ ہند آمدہ بود ازوست

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس دم کہ وہ ظالم | کمر سے کھینچ کر خنجر چڑھاتا آستیں آوے

افضل الدین خان فضلی تخلص در زمان خود از خوشگویان بودہ یک مثنوی در تعریف شاہزادہ قریب پانصد بیت باب و تاب گفتہ خدایش بیامرزد ایں از آں مثنوی است

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب | تبسم لباں پر جو موج شراب
زنخ جوں مربا دسے سیوکا | پہ جوں ہاتھ کب پڑے ریوڑہ

ازاحوال متوسطین **مرزا مرتضیٰ قلی فراق** تخلص از ملازمان توپخانۂ پادشاہی بود اکثر

شعر افزیں میگفت گاہ گاہی ریختہ ہم بہ ندرت موزوں میکرد ولہ

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہی ۔ کہ یاں اک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہی

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں ۔ کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہی

میر شمس الدین فقیر تخلص احوال ایں بزرگوار در تذکرہ فارسی مسطورات، شاعر زبردست بود و دسہ ریختہ ہم ازاں بزرگ مشہور است دریں لا بطرف کربلای معلی تشریف بردہ بود ہمانجا بجوار رحمت ایزدی پیوست رحمۃ اللہ

ترا منہ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جاوے ۔ اگر گل تجھ تلک پہنچے نگلے کا ہار ہو جاوے

زندگی موج آب ہے گویا ۔ دم کا آنا حباب ہے گویا

خال تیری بیاض گردن پر ۔ نقطہ انتخاب ہے گویا

محمد محسن قدوی تخلص از شرفائے شاہجہاں آباد است در علم موسیقی و ستار نوازی شہرتے دارد، گاہ گاہی فکر ریختہ ہم میکند، جوان محمد شاہی است تا حال زندہ است حقتعالی سلامتش دارد از وست

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ سکتا نہیں سجن ۔ دیکھ تو عاشق نے تیری واسطے کیا کیا تجا

طلب میں یار کی رہنا ارادت اس کو کہتے ہیں ۔ پھر اس میں گو اذیت ہو سعادت اس کو کہتے ہیں

میر امام الدین فدا تخلص از سلک متوسطین بود الحال معلوم نیست کہ کجاست سلامت باشد از وست

یہ چاہی ہیں کہ لیں دل مرا تری باتیں ۔ مری نظر میں ہیں سب دلربا تری باتیں

تو بات بات میں ہوتا ہی مجھسے آزردہ ۔ یہی تو کچھ نہیں اے بیوفا تری باتیں

زہ ہنگامہ آرایان زماں و ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں کوکۂ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ، خان ظریف طبع و خوش اختلاط بود با ہر کس خوش طبعی داشت شاعر ربط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است، از مدتے بطرف عظیم آباد

پیش راجہ شتاب رائے بسر می برد از چندے جان بجان آفریں سپرد، دیوان فارسی
هم ترتیب داده است خدایش بیامرزد از وست

صنم بتا تو خدائی میں تجھکو کیا ہوا | ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہوا
زخم دل تو سیا نہیں جاتا | بن سیئے بھی جیب نہیں جاتا
اے فغاں دیکھنا سمجھ لینا | دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا
ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا | جھگڑا مٹا عذاب سے چھوٹے خلل گیا
جب گلشن بہار کو رنگ خزاں نہ تھا | مشفق ہماری حال پہ تو مہرباں نہ تھا
دلبستگی قفس سی یہاں تک ہوئی مجھے | گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا
یہ امتحاں نہ کرلے مری مہرباں عزیز | جہاں میں کوئی تجھ سی رکھیگا یاں عزیز
ملی ہے غیر سے ہرگز اُسے حجاب نہیں | کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں
خراب دیکھ کیئگا مری خرابی کو | ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں
عاجز ہوں تری ہاتھ سی کیا کام کروں میں | کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں
اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں | کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں
تقویت ہی داغ سے میری دل بیمار کو | اے فلاطوں کہہ تو کیا کہتے ہیں اس آزار کو
چھوڑ کر مجھکو کہاں جاتا ہی اے خانہ خراب | سونپتا ہی کیا مرے سر سے در و دیوار کو

ہم نے شب فراق میں سنتا ہی اے فغاں | کیا خاک ہوکے حسرتیں دل کی نکالیاں
یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل | ق | آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں تھیں کالیاں
نکالا خط ہمیں پیغام کیا ہو | اب اس آغاز کا انجام کیا ہو
نہ اُلفت نہ محبت نہ مروّت | تری خاطر کوئی بدنام کیا ہو
ہوا جو وصل تو دھڑکا رہا یہ | الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پر چراغ / روح جلجاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

صنم کہنے سے کب خوش ہے وہ کافر / خدائی کا تصور بندہ رہا ہے

فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو / جدائی کا تصور بندہ رہا ہے

نہ اے قاصد میں در دیار کی فریاد کرتا ہوں / تری دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

گر کوئی مارا پڑے تیری بلا سے کیا تجھے / بلکہ خوش آتا ہے اے ظالم یہی پر چاہ تجھے

یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے / مقدور جب نہووے تو مجبور کیا کرے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے / مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گزر گئی / اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی

مجھسے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے / یوں بھی گزر گئی مری ووں بھی گزر گئی

شکوا تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا / تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

(ہ)

این شعر را مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ در قطعہ تضمین نمودہ است

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں / انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا / وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی

اثر کرتی نہیں اس سنگ کے دل میں آہ کیا کیجے / عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے

مجھ دل ناشاد کو ہر وقت غم سے کام ہے / کیا خوشی یارو زمانے میں کسی کا نام ہے

کٹ گئی ساری عمر غفلت میں / پھر تری بندگی ادا نہوئی

عکس میرا شب ہجراں میں تماشائی ہے / ایک میں آپ ہوں در گوشۂ تنہائی ہے

میں تو وہ ہوں کہ مرے لاکھ خریدار ہیں اب / لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہے

دل زلف میں اچھے مجھے آرام یہی ہے / میں صید بلاکش ہوں مرا کام یہی ہے

صیاد اور صید کے منظر ہوس ابھی / ہم مو رشتۂ پر سے ہے کنج قفس ابھی

نالاں نہ ہو تو یار کے شکوے سے باز آ | سُن پائیگا فغاں کوئی فریاد رس ابھی

کٹیں تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی ٹریاں | لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں

اشکوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا | کچھ بس نہ چل سکا تو مری جان رو دیا

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی | دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

ہجو یک اکول خوب کردہ است کہ مطلعش این ست ۔ ؎

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں | نہ ہمارے نہ وہ تمھارے ہیں

دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے | متلاشی ہیں آب و دانے کے

میر فرخ علی فرخ تخلص از سادات اٹاوہ است طبع رسائے دارد، ریختہ و فارسی ہر دو
می گوید ؎

اس قدر کیوں مجھ سے ہوئے مہوشاں نا آشنا | میں بھی تو آخر کسی دن تھا تمھارا آشنا

گو ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال | پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہکن سا آشنا

چشم سے نور گیا تن سے تواں جی سے صبر | عشق میں تیرے ۔ ہوا مجھ سے جدا کیا کیا کچھ

از موزونان جہاں فضائل علی خاں بے قید تخلص جوان محمد شاہی بود خوش خوراک
وخوش پوشاک، بکمالِ خوبی بسر می برد، در شعبدہ بازی و صحبت داری کامل بود طبع نیز بلند
داشت، مثنویِ او بسیار مشہور ست ۔ با یکے از زنانِ ہند تعشق پیدا کردہ بود از گردشِ روزگار
ہمراہِ نواب عمدۃ الملک بہ الہ آباد رفت از فراق، محبوب چوں ماہیِ بے آب و آہوان بے
صحرا می طپید و وحشت می نمود، روزے از برائے دلبری او نواب موصوف جمعے از اہلِ
نشاط جمع نمود و بہ آں طوائف اشارہ کرد کہ ایں را از ناز دلربایانہ بدام آرید شاید کہ
دلِ ایں عندلیبِ و اشونہ و اندوہ و غم فراموش کند غرض از اں جمعے یک نازنیں آمد و ایشاں
را بناز فریب و عشوہ رام کرد در اں مقدمہ حسب حال خود مثنوی گفتہ و لے درہائے معانی
در و سفتہ لیکن تماشا در آں جاست کہ چوں ایشاں کام دل حاصل نمود، بر سر زانوئے آں

پریرو سر گزاشتند و بخواب رفتند در خواب محبوبہ اوّلیں خود را دیدند کہ چنیں می گوید ؎

از مثنوی

عجب خواب دیکھا میں اس خواب میں
ہوا جس سے میں پیچ اور تاب میں

ہوا تھا جنھوں سے میں اوّل جدا
سو کیا دیکھتا ہوں وہی دلربا

کہ جو چاہتی تھی مجھے دل سیتی
جدا بھی ہوا تھا میں مشکل سیتی

سو کہتی ہو یوں میرا دامن پکڑ
کہ جھوٹے ترے غم سے میرا جگر

شب و روز رونا مرا کام ہے
ترے نام لینے سے آرام ہے

پھرے میرے یوسف تو کس کی گلی
تری چاہ میں میں ہوئی باؤلی

یہاں تو جو چاہے تو کر میرے ساتھ
قیامت کو دامن ترا میرے ہاتھ

چوں از خواب بیدار شد کسے گفت کہ کسے در تلاش صاحب ست پس بیروں آمد قاصدے دید کہ نامہ در دست داشت چوں نامہ را دید معلوم کرد کہ ازاں محبوبہ است، بیانِ آں نامہ چنیں نظم نمودہ ؎

جو دیکھا لفافے پہ لکھا ہے یہ
کہ کھولو شتابی برہ کی گرہ

لکھا بعد یا جامع المفارقین
سلامت رہو قاتل الشاہدین

تمھاری خوشی سے یہاں خیر ہی
سدا ہجر کے باغ کی سیر ہی

بہت پھول لالا دکھائے مجھے
ترے داغ سے کچھ نہ بھائے مجھے

سدا غم کی جو پڑ بچھا کر نحیف
برہ کو میں کرتی ہوں اپنا حریف

سو کچھے ہی پڑتے ہیں ہر سال ہر،
گئے جگ کئی بیت اس حال میں

نہ پوچھی جو تم اب تلک میری سار
تو جپتی ہوں میں اپنی قسمت سی ہار

کہو کون ہے وہ جواہر مثال
بسے کس کے ہیرے میں اے میرے لال

جو تم آکے دیکھو برہ کی تماشہ،
کہ سر جنگ کیا کیا دیئے کر تلاش

جو دیکھا تھا تم رنگ سرخ و سفید — مرے تاج سر اب نہ رکھیو امید

وہ بھو ہیں کہ شمشیر حسن کے غلام — سپرہ کو نذر کر کریں ہیں سلام

مرے من ہرن بوجھ کر جی کی بات — گردشِ رخ آہو او پر مت برات

جو ہارا ہو پھیر تم اسے دیجئے — جو ماندہ ہو برہم اسے کیجئے

کروں کیا نکلتی نہیں جب ان ہی — کہ یہ میری غلطی کا تاوان ہے

زیادہ نہیں اس سے کچھ مدعا — یہی مدعا تھا لکھا والدعا

قریب پانصد بیت گفتہ است لیکن دراول خوب ست کہ غمزہ و ادا ہاے زنان و بیانِ حسن انہا کردہ و چوں آخر احوال دیوانگی خود آوردہ در حالت دیوانگی پریشان گفتہ در اشعارے او نہ شعرے نہ بیتے شہرت گرفتہ سوائے ہمیں شعر ؎

ہوا تھا زلف سے سودا پر آنکھوں نے بہا ڈالا — گرہ میں ایک دل رکھتے تھے آج اسکو بھی رو بیٹھے

غرض شخصے خوب بود خدایش بیامرزد۔

فدوی لاہوری مردے بود برخود غلط، برائے مباحثہ و مجادلہ بہ فرخ آباد پیش مرزا رفیع سلمہ اللہ آمدہ ہنگامہ برپا نمود بعد از ذلتِ بسیار بہ وطن خود برگشت یوسف زلیخا بزبانِ ریختہ گفتہ بود و ہمہ عالم می نمود ہر کسے کہ ازو لطف برمی داشت ازو محظوظ می شد حالا معلوم نیست کہ زندہ است یا مرد از وست ؎

مژہ کی نوک سینے میں لگا دی رستے دل دبی — کہ جیسے ہاں تڑپے میں سری یک بار لڑ دبی

نہ پوچھو رنگ مہندی کا کفِ قاتل پہ اے یارو — کسی کے خوں میں اس کے ہاتھ کو تلوار لڑ ڈوبی

میر فتح علی شیدا ہجو او را خوب کردہ است قصہ بقال و بوم حسب حال او درج نمودہ است

از احوالِ متاخرین

محمد فرحت اللہ المتخلص بہ فرحت قاضی زادہ مرشد آباد نبیرہ شاہ مدار است، رطب و یابس بسیار دارد، از ان جملہ این چند بیت تیمناً می نماید ؎

نہ ایک عرش پہ تنہا ظہور ہی تیرا — نگاہ کیجئے جیدہر کو ذرہ ہے تیرا

قدم شمردہ رکھوں کیوں نہ خار دشت اوپر — مری نگاہ کو یاں حضور ہے تیرا

زندگی میں تو رہے صدمے دل غمناک پر — بعد میرے دیکھیے کیا ہو قیامت خاک پر

چمن میں باتیں اس غنچہ دہن کی جب ٹھہری چلیاں — خجالت سے جھکا کر (ز گردن) منھ کو اپنے رہ گئیں کلیاں

بجائے دلبری کا کیوں گلہ کرتا ہی عاشق ہو — نہیں لگتی پر فرحت مجکو یہ باتیں تری بھلیاں

ہر گھڑی جی میں مرے جلوۂ قدوسی ہے — طور سینا ہی مرا اور یہ جی موسی ہے

آہ یہ کون سی ہی راہ کہ در پیش نظر — ہر قدم منزل مقصود سے مایوسی ہے

اور کو کیوں کے میں چاہوں کہ سوا تیرے خیال — روز و شب دل میں مرے درپئے جاسوسی ہے

اس چشم سے کب ابر تنک مایہ برآوے — دریا کے تئیں موج سے جس کی حذر آوے

دل چھوڑ کے جکو تو کہاں آوے مرے پاس — پر اس کے کچھ احوال کی مجھ تک خبر آوے

رباعی فخریہ بر حسب نسب خود گفتہ

اک عمر ہوئی ہی کہ نہیں یہ سوتا — مدت سے بہت غم میں ہے ہی روتا

ظالم تو دعائے بد سے اس کی ڈرتا — ہی شاہ مدار کا یہ فرحت پوتا

مرزا منجو المتخلص بہ فدوی جوانے ست از مستعدان زمانہ در مثل و محاورۂ ہندی یگانہ، سخنش بانداز عالی و طبع روانش بالنظم متوالی مقبول انام، خوش طبع و شیریں کلام اصلش از شاہ جہان آباد، از شاگردان شاہ عشق دام افضالہٗ دیوان داکل را بہ آب شستہ بعید ازان خوب تر گفتہ، بہرہ از علم موسیقی و سلیقہ از ان قدرے حاصل نیز کردہ دردمند دعا مزاج در یکجا قرار نمی کند، گاہے در عظیم آباد و گاہے بمرشد آباد، گاہے بہ فیض آباد می ماند الحال شنیدہ ام کہ در بنگالہ پیش نگر سیٹھ بسر می برد، با فقیر حاضر و غائب دوستی دارد ؏

گو تجکو نہ اعتبار ہووے — کافر ہو جسے قرار ہووے

بیگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح — ہم سب طرح ترے ہیں سمجھ تو کسی طرح

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئی
دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی

دل سے یہ در در رہے آج کی شب ہو گی صبح
شب فرقت ہے خدا جانیے کب ہو گی صبح

دم غنیمت ہے شب وصل کوئی دم ہس لے
وقت رخصت کے تو فدوی یہ غضب ہو گی صبح

ساقی منا کے اب کے بھی تو نے بہار کو
محروم ہیں رکھا دل امیدوار کو

حکمت ہے عین طبع کدر کو جام سے
پانی بجھا ہی دیوے ہے آخر غبار کو

پڑ جاویں مثل شیشہ مے آبلے ابھی
رو کر اگر نہ دل سے نکالوں بخار کو

فدوی مرا ہی کام ہے روز اٹھکے جس طرح
رکھتا ہوں تھام تھام دل بے قرار کو

کس دل جلے کی تیرے تئیں بد دعا لگی
اے شمع اب تو آہ تری سر پر آ لگی

بندے کی بندگی کا کسی کو یقیں نہیں
پیارے خدا کے واسطے بول اٹھ خفا لگی

فدوی توکل جو یار کے پھرتا تھا آس پاس
اس نے کہیں کہا تھا کہاں کی بلا لگی

محفل میں شمع سنکے یہ بولی پتنگ سے
خانہ خراب تجکو بھی یاں کی ہوا لگی

ہماری کب آبرو کے اوپر اس ابر کے تئیں فلک نظر ہی
رکھی ان آنکھوں نے شرم یارب جگر جلا ہی دگر دگر ہی

ملے وو غیروں سے پھر دش جا ہمیں کب آتا ہے رشک اس کا
یہ ڈھلتی پھرتی ہے تو چھانو فدوی کبھی ادھر ہی کبھی ادھر ہی

کچھ تو دل میں ترے نفاق پڑا
جواب آنا ادھر کا شاق پڑا

خم مے کی طرح ترا دل میں
جوش کھاتا ہے اشتیاق پڑا

یار ایسا نیا وے گا فدوی
دیکھ لینا گر اتفاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا
یار تیرا کدھر خیال گیا

ایک دن بھی نہ اس کو دیکھا حیف
یوں ہیں اب کا تمام سال گیا

تجھسے ہوتے ہیں دردمند جدا
گو کرے کوئی بستہ بند جدا

سانوری گوری سب تماشا ہیں
اپنی اپنی یہ ہے پسند جدا

گلا آپس میں آگے بھی کبھو تھا
تکلف برطرف ایسا ہی تو تھا

برنگ آئینہ جو عیب جو تھا
رہ پانی پانی اس کے روبرو تھا

ٹک اثر ہو زباں میں پیدا
پھر بھی کچھ ہے آن میں پیدا
زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے تھے جہان میں پیدا
رفتہ رفتہ اپنے جوہر یار دکھلانے لگا
آستیں کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا
کیا تلی کر گیا تھا یار اس دل کی مرے
یہ تو کچھ جانتے ہی اس کے اور گھبرانے لگا
دل پڑا ہے یہ شمع ساں اپنا
سر جلاویں کہاں کہاں اپنا
ساتھ پھرتے ہیں بہت مائل سے لگے
دیکھتا کیا ہے انھیں قاتل سے لگے
مجھ سوختہ دل کو تو نہ کہہ پیکر طاؤس
جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پر طاؤس

رباعیات

دل ہی اپنا نہ جسم و جاں ہی اپنا
اپنا کسے سمجھئے کہاں ہی اپنا
اپنی تو نظر میں **فدوی** اللہ سوا
یاں ہی اپنا نہ کوئی واں ہی اپنا

دیگر

یار و ملے اب کوئی کسی سے کس طور
منصف ہو ذرا دل میں کر و اپنے غور
جوں آئینہ کب تلک یہ خاطر داری
منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ اور

دیگر

کیا ملنے یہ آشنا گھڑی کے ہونگے
آخر دشمن پھر اپنے جی کے ہونگے
ان سنگدلوں سے کیا توقع **فدوی**
یہ کس کے ہوئے ہیں جو کسی کے ہونگے

دیگر

گلشن میں کہاں یار جسے دیکھیں گے
بن اس کے تو ہرگز نہ اسے دیکھیں گے
قاصد نے تو ملنے کی توقع کھو دی
کیوں پھڑکے ہے آنکھ ہم کسے دیکھیں گے

دیگر

ہر چند ہلال تیرے ابرو سا نہیں
ہر دل سے سپہر کے یہ باتیں نہ گئیں

کچھ بحثی کرے ہے اپنی اُس رفعت پر ناخون نہ دے خدا بندے کے تئیں

دیگر

غیروں سے وہ آہ گرمجوشی ظالم اور ہم سے ملے تو یہ خموشی ظالم
سودے میں ترے تو ہم کہیں کے نہ رہے پھر کس کے لئے یہ خود فروشی ظالم

دیگر

کیوں ان سے کہیں کہ چشم و دل سمجھینگے یا آپ ہی ہو کے منفعل سمجھینگے
دل آنکھوں کو دوس دے ہے آنکھیں دل کو یہ جانتے انھو کا کام دل سمجھینگے

غزلیات

تری ہم نے تاثیر اس آہ دیکھی نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی
میں اپنی جان تلک حاضر ہوں پر تو اس کو کیا جانے مرے دل میں تو یہ کچھ ہے ترے دل کی خدا جانے
ہمیں تو عین راحت ہے جو کچھ تیری عنایت ہے گرفتار جفا ہووے جفا کو جو جفا جانے
کون اُسے یہ کہہ سکے کیوں قتل عالم کو کیا کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا
گالیاں کیوں کر نہ دیوے تو نے ندوی چھیڑ چھیڑ ایک تو وہ تھا ہی اُس کو اور بھی بدخو کیا

شاعر خوش تقریر باندازِ دلپذیر گوہر کان فتوت مرزا الف بیگ متخلص به فرصت متوطن الہ آباد است، بنده او را ندیده مگر از یاران اُن دیار شنیده که در اُنجا مثل او کسے نیست، فصیح بیان و شیرین زبان، غالب که اصلش از شاہجہان آباد است از کلام او ہویدا و ظاہر است. علی الخصوص در غزل قطعه از و بکمال خوبی می تراود سلامت باشد از وست

اُس کو طرزِ جفا خوش آتی ہے مفت ہیں اپنی جان جاتی ہے
اک عمر خاکِ کوئے بتاں سجدہ گاہ کی تب رفتہ رفتہ اس بت کافر سے راہ کی
شاکی ہیں تیرے ظلم کے ہاتھوں سے کتنے بار اپنا ہی سخت جی ہے کہ ہرگز نہ آہ کی

نپٹ مضطر ہوں جب سے وہ گیا ہے / خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
بنا تجکو کوئی دستِ بریدہ / یہ اپنے حق میں کانٹے بو گیا ہے

ق

شمشیر کھینچ قاتل آیا جو میرے سر پر / مرنے کی آرزو میں گردن میں اپنی خم کی
فرمایا تب یہ اس نے اے کشتۂ محبت / مہلت ہے ایک ساعت کر شرح اپنے غم کی
میں نے کہا کہ یہ غم وہ غم ہے جس کے لکھتے / کاغذ کی چھاتی پھاٹی کٹ گئی زباں قلم کی
میں کس طرح سے تجکو احوالِ دل سناؤں / جی میں ہزار باتیں فرصت ہے ایک دم کی

میر فخر الدین فخر تخلص، مردیست مؤدب و متواضع از تلامذۂ مرزا محمد رفیع سودا خلف اشرف علی خاں صاحبِ تذکرہ فارسی، اکثر ہمراہ مرزا میباشد و غزلہائے اینہا را ترتیم مینماید - غرض مرد خوبے ہست، سلامت باشد ؎

بات کیجے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑیئے / ٹک خدا سے ڈریئے ان ضدوں کو اپنی چھوڑیئے
منہ نہ موڑے گا یہ عاصی گر یہی منظور ہے / لیجئے سنگِ جفا اور شیشۂ دل توڑیئے
توڑنا دل کا تمھارے آگے تو آسان ہے / پر تمھیں تب جانیں جب ٹوٹے بھی دل کو جوڑیئے
اگر وہ اٹھ گئے یاں سے تو پھر کس سے کہیگا تو / جو کہنی ہو تو کہہ لے فخر ایسے میں ہیں وہ بیٹھے

میاں ثناء اللہ فراق تخلص، برادرزادۂ میاں ہدایت، از شاعرانِ حال است در شاہجہان آباد میماند، شنیدہ ام کہ شعر خود بخدمت خواجہ میر درد میگزراند مربوط میگوید از وست - ؎

دلِ دیوانۂ عاشق کو ناصح رنج راحت ہے / جراحت پر مرے جو سنگ ہے سنگِ جراحت ہے

فارغ تخلص، ہندو بچہ است وکالت پیشہ از شاگردانِ میاں حاتم و از مریدان مولوی فخر الدین صاحب در شاہجہان آباد استقامت دارد از تازہ گویان است ؎

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

شاہ فصیح، افصح الفصحا و ابلغ البلغا مردیست از شاگردان مرزا **بیدل**، بزرگانش از مردم طالقان اند کہ بطرفِ توران زمین است، عمرش قریب صدسال رسیدہ است بکمال درویشی در لکھنؤ تکیہ ساختہ وزانو بہ توکل دادہ بسر می بُرد دیوان فارسی دارد بمذاق تصوف بطور اُستاد خود، از سبب پیری وافیون کہ بسیار تناول مینماید فاق شدہ است قوت برخاستن ندارد ودر سال یک ہزار ویک صد و نود و دو برحمت حق پیوست خدایش بیامرزد **افصح** تخلص در فارسی مینماید لیکن چون شاہ فصیح مشہور اند برائے این در ردیف **فا** نوشتہ شد ؎

کر یاد تجھے جدھر سگئے ہم — ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
زاہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر — ایدھر نہ گئے اودھر سگئے ہم
کیا بالا شوخ کی قامت دیکھی — ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
سرمۂ چشم بتاں ہیں ہونا — خاکساری کی کرامت دیکھی
جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں — زندگانی ہے کہاں موت کے دن بھرتے ہیں

حرف القاف

از احوال متقدمین | میر عبدالقادر **قادر** تخلص از باشندگان حیدرآباد است بیشتر مرثیہ از ومشہور است، مرد مقدس واہل دل بود، از اوائل مذاق درویشی داشت چون عمرش از پنجاہ متجاوز گردید با یکے از مشائخ آن دیار کہ نسب وے بشیخ شہاب الدین سہروردی می پیوست خرقہ پوشید واز دنیا عزلت گزید غفر اللہ لہ این رباعی از دستِ وی

ہر چند ہمیں سب سے اُٹھایا ہے ہات — اس پر بھی نہ آزاد کہائے ہیہات
عالم منے ہر ایک یہ کہتا ہوگا — دکھن منے ہی قادر اچھو نرقید حیات

از سالک متوسطین | **اقدر**، تخلص شخصے بود در زمان محمد شاہ غفر اللہ لہ از تذکرہ میر تقی

معلوم شد کہ مرد اوباش وضع از قید مذہب و ملت آزادگا ہے در کوچہ و بازار بنظر می آمد این شعر او بسیار مشہور است چنانچہ مطربانِ ہند اکثر میخوانند ؎

آج آئے ہو تو رہجاؤ سجن رات کی رات ۔ لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

عبث آ بیکسی اپنی پہ کیوں ہر وقت روتا ہے ۔ نکر غم اے دوانے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے

غنی بیگ قبول تخلص از مردم کشمیر بود احوال او در تذکرہ خان آرزو مسطور ست شاعرِ فارسی بود چون دید کہ ہنگامہ ریختہ گرم است خود ہم بطور خود میگفت **از وست**

حاضری بن محل نہیں کھاتا ۔ بیگمی سے ہے پنیر منعم کا

بدھ سنگھ۔ قلندر تخلص آبا و اجدادش دولت بسیار داشتند او بیکے از بتانِ ہند عاشق شدہ از قوم خود گسیختہ قلندر روش بر آمد حالا معلوم نیست کہ کجاست طبع موزونے دارد **از وست** ؎

چھپا ہے مانگ میں دل جاکے اب میں ڈھونڈوں کدھر ۔ کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات ادھر

قلندر وقت مرنے کے جو یار آیا تو کیا حاصل ۔ جو اتنی عمر گزرنی تھی تو یہ بھی دم گزر جاتا

رباعی

جی میں جو **قلندر** کے کبھی آویگا ۔ دل اپنے کو جبیں تجھ سے لیجاویگا

یہ روز کا بتر ہے جبیں برابر درہنا ۔ سب طاق اوپر دھرا ہی رہجاویگا

نخل حدیقۂ فصاحت و غنچۂ بوستانِ بلاغت شمع بزم سخندانی چراغ خانۂ نکتہ رانی ترقی فکرش دائم **شیخ محمد قائم** شاعریست خوش گو شاہینِ طبعش تیز بال و شہباز فکرش بہ اوجِ کمال، خوبی اشعارش چون حسنِ محبوبان دلپذیر و ربط الفاظش مسلسل مانند زلفِ خوبان بے نظیر، در اوائل مدتے داخلِ جرگۂ خواجہ **میر درد** ماند آخر بشاگردی **مرزا محمد رفیع سودا** قائم گردید، متوطن چاند پور مدنیہ، چون از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد آمدہ لبسر برد بنابران محاورۂ او درست گشت، **طرزش مطبوع طالب**

آملی میماند، مثنویہائے بسیار گفتہ و بسے دُرہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ فقیر اورا ندیدہ
اکثر خوبی ہائے وے شنیدہ الحال در سنبھل مراد آباد است خداش سلامت دارد۔

مثنوی ہجوِ سرما

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

چرخ کی اطلسی قبا یہ ہمیش
نہیں یہ کہکشاں ہے دانا پیش

ان دنوں چرخ پر نہیں یہ مہر
گود میں کانگڑی لئے ہے سپہر

دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات
کالے کمبل میں رات کاٹے رات

سرِ مطلع دیوان

ہرگز نہیں مقدور تری حمد زباں کا
برہان ہے دعوے کی مرے عجز بیاں کا

جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ
جوں موت کہ نت لازمہ ہے آبِ رواں کا

جلوہ ہر رنگ میں ہے اس بتِ ہرجائی کا
یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا

چھوڑ تنہا مجھے یارب انھوں کیونکر گزری
غم جنھیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا

عہدے سے اس صنم کے برآیا نہ جائیگا
یہ ناز ہی تو ہم سے اٹھایا نہ جائیگا

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا

میں کیا کہوں کہ جو کچھ مجھ پہ زیر دام ہوا
وہی یہ جانے جو تڑپا نہ اور تمام ہوا

بیدماغی سے نہ اس تک دلِ رنجور گیا
مرتبا عشق کا یاں حسن سے بھی دور گیا

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

ہردم آنے سے میں بھی نادم ہوں
کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لینا نہ کہیں نام کسی کا

خوباں کی طرف رکھنے بندا ہوں میں قائم
ملتے ہیں کہیں نام ہے بدنام کسی کا

ہم نے ہر طرح ترے ہجر میں دل شاد کیا
ہچکی گر آئی تو سمجھے کہ کہیں یاد کیا

کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

میں اس چمن سے اب یہ مجھ سے چمن گیا
لے دل میں اپنے حسرتِ سرو و سمن گیا

شیریں تو ساتھ خسرو کے جوں چاہے کر معاش
پتھر تھا تیری چھاتی پہ سو کوہکن گیا

دوں گا زیر سایۂ دیوار بیٹھکر
جس دن تری گلی میں کہیں داؤ بن گیا

قائم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپھی اور آپ ہی من گیا

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جی سے عاجز ہیں انھوں کو عیش سوجھے ہیں

دریا ہے پھر تو تمام ہی ہر یک حباب کا
اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

دل وہیں ہوویگا میرا وہ جہاں ہوویگا
پر خدا جانئے وہ ہرزہ کہاں ہوویگا

زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
ہم سحر تک تھے پیچ و تاب میں رات

ق

خوب نکلے ہم اس کے کوچے سے
ورنہ آئے تھے اک عذاب میں رات

لیک خالی سی کچھ لگے ہے بغل
دل گرا شاید اضطراب میں رات

اب تو نہ گل نہ گلستاں ہی یاد
اس کے مکھڑے کی ہر زماں ہی یاد

آہ اے پیر چرخ قائم نام
یاں جو رہتا تھا اک جواں ہی یاد

بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر عشق نہیں تو آہ سر کر

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا سو مرکر

یاں کیوں نہ کسی کو آئے افسوس
حالت تو مری ہے جائے افسوس

دیتے تو دیا میں دل ولیکن
چارہ نہیں اب سوائے افسوس

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روتے تھے سو خون جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مر چکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لئے
حباب وار اٹک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثالِ حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں
یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تیرے دامن تلک ہی پہنچوں اور
خاک ہونے سے کچھ مراد نہیں

میں کہا عہد کیا کیا تھا رات
ہنسکے کہنے لگا کہ یاد نہیں

مجھے اس اپنی مصیبت سے ہے فراغ کہاں
کسی سے چاہوں کہ صحبت رکھوں دماغ کہاں

پاس میں تجھ غم کے میں اپنی بھی غمخواری نہ کی
جان دے گزرا پہ ظاہر دل کی بیماری نہ کی

دمبدم اس رنجشِ بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ
دل دیا تجکو تو تجھ میں نے گنہگاری نہ کی

بعد خط آنے کے اُس سے تھا وفا کا احتمال
لیک واں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی

دل مرا دیکھ دیکھ جلتا ہے
شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے

ہمنشیں ذکرِ یار کر کچھ آج
اس حکایت سے جی بہلتا ہے

گندمی رنگ جو ہے دنیا میں
میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے

یاں سدا نیشِ بلا وقفِ جگر ریشی ہے
کہیے کیا جان مری عالمِ درویشی ہے

اپنے مذہب میں قرابت نہیں اجداد کی شرط
تجھے نسبت ہے جسے اُس سے ہمیں خویشی ہے

ناز و ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہے
کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہے

جب میں دیکھا ہے تو اس دل کو غمگین دیکھا ہے
یہ نیا چاؤ محبت کا نہیں دیکھا ہے

حسرتِ دل کو مری سمجھے وہی خستہ جسے
یار نے آکے دمِ بازپسیں دیکھا ہے

گو کہیں یار بلایا ہے وہ اب آتا ہے
پر اُسے میں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہے

شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے
صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے

مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

شب گریہ سے وابستہ مری دلشکنی تھی
جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی

مردنِ دشوار میں یہ جان بے تقصیر ہے
حسرتِ دل سو طرح سے اس کی دامنگیر ہے

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے

کیے گلگشت گلشن کا موسم ہے
اسیری کا جگر پر داغ بس ہے

نہ پوچھو مجھسے گلشن کی حقیقت
برس گزرے کہ میں ہوں اور قفس ہے

زاہد درِ مسجد پہ خرابات کی تونے
جی بھی یونہیں چاہے تھا کرامات کی تونے

یدھر تو میں نالاں ہوں دھر غیر سے جا میں
اب کس سے مری جان ملاقات کی تونے

قائم رہ پرخوف ہے اور دور ہے منزل
کب پہنچے گا ظالم جو یہیں رات کی تونے

پھرے زمانہ جہاں تک ہی ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

فلک دنائے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے

مرا جی تجکو گو پیارا نہیں ہے
پر اتنا بھی تو ناکارا نہیں ہے

نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

بہارِ عمر ہے قائم کوئی دن
اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنسکر

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجکو نہ منہ دکھائیں گے ہم

جو شرط ہے دوستی کی پیارے
جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا
ٹک دور سے دیکھ جائیں گے ہم

مجھسا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں
ہے یوں تو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہیں

اے دل برنگِ غنچہ نہ مل گلرخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

اتنی اے دیدۂ دل مجپہ نہ بیداد کرو
دیکھیں کیا ہووے خدا کو تو ٹک اک یاد کرو

دل مرا چھین یہ کہتا ہے وہ دلبر قائم
جی جہاں چاہے تمھارا مری فریاد کرو

کبھی دکھاکے کمر اور کبھی دہاں مجکو
نپٹ تبنگ کیا تونے اے میاں مجکو

تو اتنے واسطے اے باغباں نہ کاوش کر
بہت ہے سایۂ دیوار گلستاں مجکو

دامانِ گل تلک ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیفِ سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے

قائم ہوں عندلیبِ خوش آہنگ تھا دلے
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہمقفس مجھے

کیا جانے ہم کہاں ہیں اور دین و دل کدھر ہے
عالم میں تفرقے کی کس کی کسے خبر ہے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھ رکا جاتا ہے دل گرد سے ویرانے کی
آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی
بتوں کی دید کو جاتا ہوں دَیر میں قائم
مجھے کچھ اور ارادا نہیں خدا نکرے
ہر طرف وہ نگاہ لڑتی ہے
کبھی ادھر بھی آن پڑتی ہے
کیا ہی مکھڑا ہے وہ کہ جس کے حضور
آئینے کی قلعی اُدھڑتی ہے
قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر
دیکھیں کس کس سے ہاں بگڑتی ہے
اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے
میں جاتا ہوں کعبے کو اب دیر سے
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
نگاہوں سے نگاہیں سامھنے ہوتی ہیں جب لڑ بالڑ
یکایک کھل گئیں دونو طرف سے دل کی گلجھڑیاں

قدرت بلند مایہ و **قوی** پایہ درویش خصلت میر قدرت اللہ **قدرت** مردیست از متوسلانِ میر شمس الدین **فقیر** رحمہ اللہ، درویش وضع، خلیق طبع، رتبۂ قدرتش رفیع و شیوۂ معانیش بدیع، سمندِ نظمش در میدانِ فارسی و ہندی چالاک وحسیت و تصویر بے نظیرِ معانیش در استخواں بندی الفاظ درست، بندہ وی را یک بار در مشاعرہ بہ لکھنؤ دیدہ ام اگرچہ از سلک متوسطین است لیکن شہرۂ اشعارش در متاخرین اشتہار یافتہ دیوانش بنظر نیامدہ مگر ہمیں غزل کہ مشہور عالم است با چند بیت دیگر نگارش می آرد۔ شنیدہ ام کہ میر مذکور الحال در مرشد آباد استقامت دارد، اصلاحِ سخن ظاہرا از میر شمس الدین فقیر گرفتہ است، مرد خوشے است حق تعالیٰ سلامت دارد از وست

سیرِ چمن کی فرصت اے بلبلو! کہاں ہے
جو گل نظر پڑے ہے سو غارتِ خزاں ہے
بیت الحزن میں شب کہ ترا انتظار تھا
کھٹکا ہر ایک در نہ مرے جی کے پار تھا
اہل عدم کو رمز فنا کا تھا کب شعور
سر مشقِ رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا
تڑپوں ہوں خاک و خوں میں پڑا جس کے وار سے
قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا

تشنہ لب مرتا ہے نت موجِ دمِ شمشیر کا
اے غرورِ ناز کچھ بھی فکر اُس نخچیر کا

کون میخانے سے قدرت کو نکالے گیا مجال
ہی خطِ پیمانہ سر خط اُس کے تقدیر کا

برپا ہوئے سو فتنے مرے کشورِ جاں سے
کون انکھڑیاں ملتا یہ اُٹھا خوابِ گراں سے

جوں بید مری آہ کبھی ہو نہ زمیں گیر
یہ سرو لگا ہے چمنِ کاہکشاں سے

منظور اگر آنکھ سے ہے کچھ تو تری دید
مقصود اگر ہے تو ترا نام زباں سے

کس کی نیرنگی یہ شمع پردۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

ایک ہی پردے کی گر سمجھو تو ہے یہ سب الاپ
گر صدائے بانگ ہے و نغمۂ ناقوس ہے

صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے
اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے

ق

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم کیا ہی سرزمینِ طوس ہے

گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آوازِ طبل اودھر صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام ہوتا ہے مئے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز کا محبوس ہے

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دکھلا کر مجھے کہنے لگی
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھے تسبیحِ ریا
آج رہنِ جامِ مے یہ خرقۂ سالوس ہے

حسرت اے صبحِ چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

جوں نقشِ قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم
مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم

نسبت ہے ترا ہے تری جوں سایہ و خورشید
جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہی نہیں ہم

سینہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا ہے
تیرِ بیداد جدھر رو کرے گھر اُس کا ہے

از احوال متاخرین | **قرین** تخلص، از مردم کشمیر جنت نظیر شخصے ست از شاگردانِ میاں حسرت، طبع موزونے دارد بندہ او را یکبار دیدہ ام بہ فقیر خانہ در مشاعرہ آمدہ بود نومشق ست سلامت باشد از وست ؎

پیارے بے وفا یا باوفا ہو | غرض تم دل کے لینے کو بلا ہو
ہمارے مرنے کا وہ شوخ غم کرے نہ کرے | پہنچکے نعش پر آنکھوں کو نم کرے نہ کرے
کہا تو ہے کہ میں آؤنگا تیرے گھر میں قرین | غرور مستی سے دیکھیں کرم کرے نہ کرے

از تازہ گویان زمان میر جیون المتخلص بہ **قربان** جوان بست سالہ سپاہی پیشہ بود درین سن و سال بکمال خوبی حرف میزد از تلامذۂ مرزا رفیع **سودا** سلمہ اللہ تعالےٰ روزے در فیض آباد فوج فرنگی صف کشیدہ میرفت این نشانۂ تیر قضا با یکے از رفقا ناگاہ در میانش افتاد آں سگاں بعادت خود غوغا نمودہ ناسزا گفتند ہر چند این گرفتاران بلائے ناگہانی بعجز و انکسار پیش آمدہ عذر خواستند کہ نادانستہ بدام افتادہ ایم راہ بدہید غرض آن مغروراں ہیچ پروا نکردہ زبان بدشنام کشادند بعد از ردو بدل بسیار بمقتضائے غیرت ناچار تن بقضا دادہ دست بقبضہ شدند آخر یکے زخمی شد و این جوان از طعن سنگین کافرانِ سنگدل شہید گردید ع آفرین باد بریں ہمت مردانۂ او - کہ جانِ خود را قربانِ آبرو کرد خدایش بیامرزد از وست ؎

یوں بندِ قبا کھل گئے جو آن میں گل کے | کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے
کیا کچھ دل بلبل پہ کرے دیکھئے یہ عشق | سر پھینک دیئے جس نے گریبان میں گل کے

قانع تخلص نبیرۂ ناصر خان است شعر ہندی و فارسی ہر دو میگوید، اصلش از شاہجہان آباد است از مدتے در لکھنؤ استقامت دارد روزے بخدمت مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ آمدہ بود فقیر ہم در انجا نشستہ بود از چشمہائش وحشت پدید آمد انسب کہ سودائے کسے داشتہ باشد از مشاہیران نیست، طبع موزونے دارد سلامت باشد: از وست

شعلہ اگر اُٹھے دلِ پُر اضطراب کا | جل جائے سو جگہ سے جگر آفتاب کا

حرف الکاف

میاں کمترین از ایہام بندان، در سلک متوسطین مردے بود نوکری پیشہ در سرکار نواب عماد الملک سرفراز بود۔ موافق استعداد خود میگفت این چند شعر از شہر آشوب او بنگارش می آید[1]

شاہ کامل۔ ہم از سلک متوسطین درویشے بود معاصر میاں آبرو، کامل تخلص می نمود، اوائل نوکری پیشہ بود اواخر ترکِ لباس کرد این دو شعر ازو بگوشش خوردہ ؎

وعدہ گیا تھا صبح نہ آیا وہ اب تلک | کھینچوں گا اس جفا کو نجانوں میں کب تلک

جب اٹھ چلا بغل سے تو پوچھا سے گا کب | کامل کو کھول منہ پہ بتایا کہ شب تلک

شیخ لطف اللہ کامل، تخلص از شاگردانِ خاکسار نیز از متوسطین شخصے بود از وست ؎

وہ مرا بے مہر قاتل اس قدر خونریز ہے | کانپتا نکلے ہے جس کے ڈر سے یاروآفتاب

میر علی نقی کافر، ٹکہ، جوان محمد شاہی، از سلک متوسطین است از مدتے بطرف مرشد آباد رفت بسیار خوش رو وظریف طبع بود، اول فارسی می گفت تسکین تخلص می کرد باز بر آں ہم تسکین نیافت جنون تخلص کرد چوں در خدمت جاوید خاں خواجہ سرا نوکر شد ریختہ گفتن آغاز کرد۔۔ وزے قبلہ گاہ این فقیر از راہ ظرافت بادے فرمودند کہ شما فارسی وہندی گفتید الحال عربی بگوئید وملعون تخلص کنید بریں سخن بسیار خندید، وجہ تسمیۂ او اینست کہ تخلص فقط کافر میکرد ہر شعرے میخواند بر دلش میخورد

---

[1] چونکہ: اشعار خلاف تہذیب تھے لہذا خارج کر دیئے گئے

بگفت کہ ایں شعر نیست بلکہ ایں ٹپکہ است، ازیں جہت کافر ٹپکہ در شعرا مشہور گردید غرض عجب شخصے بود خدایش بیامرزد

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے ۔۔۔ کافران اُنھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھگڑے
بتوں کے تہیں اس قدر مانتا ہے ۔۔۔ یہ کافر مراجی خدا جانتا ہے

رباعی

کیا پھرتی ہے میکدے میں ٹکی ٹکی ۔۔۔ زاہد عابد سے دُور پٹکی پٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر ۔۔۔ یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

شاعر زبردست و مشاق قدیم میر محمد حسین المتخلص بہ **کلیم** جوان محمد شاہی گندم گون و دراز قد بود با میر تقی قرابت قریبہ وارد در فن شعر و شاعری استادِ سخن بجز ذخار طبعش در نثر و نظم موجزن۔ رسالہ در عروض و قافیہ ہندی تصنیف نمودہ و فصوص را کہ کتاب عربی است بزبان ریختہ ترجمہ کردہ کتابے در نثر ہندی نیز ایجاد نمودہ چنانچہ یک فقرہ او بیاد ماندہ قلمی مینماید۔ در وقتیکہ احمد شاہ را میل در چشم کشیدند دراں مقدمہ میگوید **فقرہ** کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر، آج کے دن ہو بیٹھے ہیں اندھے ہو بصیر، ایسی دولت سے زنہار زنہار، فاعتبروا یا اولی الابصار" باوجود ایں نزد قوتِ شاعری نمک در کلامش یافتہ نبا بریں اشعارش اشتہار نیافت۔ غرض شخصے خوب بود در شاہجہان آباد برحمتِ الٰہی پیوست۔ خدایش بیامرزد، ایں چند بیت منتخب **از وست**

آتی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست ۔۔۔ وہ دن گئے **کلیم** کہ یہ شیشہ سنگ تھا
عرق ہے منہ پہ ترے یا گلاب ٹپکے ہے ۔۔۔ عجب ہے مجکو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہے
تجھے میں آنکھوں میں کیونکر رکھوں کہ ہو برسات ۔۔۔ پھر لیا گھر کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے
بوسہ بھی چیز ہے اے مری جان اس قدر ۔۔۔ جس پر پھیکو ہو ہم سے برا مان اس قدر
ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ ۔۔۔ پھرتا ہی رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل | کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

تم جام دو پیارے کیوں کر کریں نہیں ہم | خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے وہیں ہم

تو یار ملک ہم سے جب ایک ہو گیا ہو | کس کو بعید جانے کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو | یا تم ہیں سب ہو ہم ہیں یا ہینگے سب ہمیں ہم

نے دل طنبور میں تو شور رہا معلوم اے مطرب | کسی کا دل ہوا ہے شاید اسی کی وی میں نالاں

عمرِ رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم | آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

غرورِ حسن ممکن نہیں کسی کی فریاد کو پہنچے | غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

بات اس کی زبان پر آئی | پھر خرابی جہاں پر آئی

پیر کیوں ہو گیا ہے اتنا کلیم | کیا بلا اس جوان پر آئی

پیری کی بھی سیر کر گئے ہم | اس پل سے بھی گزر گئے ہم

جوں اشک کہ ہستی او عدم میں | بس ایک قدم تھا دھر گئے ہم

وہاں غصے ہوئے رقیب پر تم | یہاں مارے ادب کے مر گئے ہم

تو نہ آیا باغ میں تمشا دم سے غم ہوا | طوقِ قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے | جادہ آتا ہے نظر جوں زلفِ کج برہم ہوا

رباعیات

گل دو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا | یہ دل بھی کلی سے بیکلی سے نہ گیا

جو کوئی گیا دل کو گیا چھوڑ یہاں | دل سے تو کوئی تیری گلی سے نہ گیا

دیگر

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی | تیرے ہی قدم تلے گئی رُل مہندی

ہیہات کہ کس طرح کا ہوگا وہ ہاتھ | جس ہاتھ سیتی داغ ہوئی گل مہندی

لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ بٹالہ پسر نوندہ رائے پیشکار دیوان تن، طبع موزوں

دارد از وست ؎

مجھ دل کا اے طبیب سمجھکر علاج کر　　مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھنا

کھنجن زنے گزشتہ است معلوم نیست کہ از کجاست ہمیں دو شعر او شنیدہ شد

عشق میں راحت ہو یا آزار ہونا ہو سو ہو　　کیا کریں اب ہوئے ناچار ہونا ہو سو ہو

کر گریباں چاک کھنجن چل بیاباں کی طرف　　دیکھ لے یہ بھی مزا اک بار ہونا ہو سو ہو

حرف الکاف فارسی

دریں فصل از متقدمین و متوسطین نظر نیامدہ مگر از سلک متاخرین چنانچہ شاء شیریں بیاں میاں نذر علی خاں المتخلص بہ **گماں** مردیست سپاہی پیشہ از یاران کوکہ خان فغان اصلش از شاہجہان آباد است، مرثیہ و منقبت و غزل ہمہ میگوید فکر خوبے دارد روزگار موافق زمانہ موافق ست در فیض آباد بسر میبرد از بسکہ مشتاق ہست در روانی طبع دارد کلامش خالی از اثر نیست۔ خدا یش سلامت دارد از وست ؎

جس دم تو مجھسے آکے ہم آغوش ہو گیا　　غم دو جہاں کا دل سے فراموش ہو گیا

قتل کرتی ہے ہمیں یہ ابروئے خمدار کج　　کاٹ دونا کرتی ہے ہوتی ہے جو تلوار کج

راست کہہ کس نے کیا تجکو گماں سے بدگماں　　اس لیے کیوں کرتا ہے تو ہر وقت اب گفتار کج

دل پھنسا جب سے تری زلف پریشاں کے بیچ　　تب سے آرام نہیں جان کسی آن کے بیچ

مہربانی سے کبھی تو نے نہ کی مجھسے بات　　جی نکل جائیگا میرا اسی ارمان کے بیچ

گزرے ہے تیری یاد میں دن رات بے طرح　　آگر بنی ہے جی پہ مرے بات بے طرح

جاتی ہے مفت ہائے یہ فصل بہار حیف　　ہے دور ہم سے یار ہمارا ہزار حیف

مدت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل　　اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

فصل گل سے پھر ہوا اب گرم بازار چمن　　مشت پر لے کر ہوئی بلبل خریدار چمن

کون ہو دیگا وہ دن جو ہم قفس سے چھوٹ کر
جائے دیکھیں گے الٰہی پھر (وہ) دیوارِ چمن

دیکھتا ہوں جہاں بتاں کو میں
دور ہی سے سلام کرتا ہوں

مر جاؤں گا کہیں تو اپنی زباں سے مجکو
خاطر عزیز تیری ہے اپنی جاں سے مجکو

گل بھی شبنم سے نہ دیکھے یوں سحر بھیگے ہوئے
دیدۂ عاشق ہیں خوں سے جس قدر بھیگے ہوئے

سر جھکایا میں جو قدموں پر تو غصے ہو کہا
مت رکھ اپنے چشم میرے پاؤں پر بھیگے ہوئے

مرا دل دیکھنے کو جس ستمگر کے ترستا ہے
مجھے دیکھے ہی جب روتے تو وہ بیدرد ہنستا ہے

واسطے جس کے سبھی مجکو برا کہتے ہیں
وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

ہزار افسوس تو اپنا ہمیں بدخواہ جانے ہے
میں جیسا ہوں ترا بندا مرا اللہ جانے ہے

تری یہ تیغ میاں کاش مجپہ چل جاوے
چھٹوں عذاب سے جھگڑا مٹے، خلل جاوے

میں اس لئے نہیں کہتا ہوں اپنی حالتِ دل
مبادا جی میں سمجھکر کہیں بدل جاوے

مجھے تو زیست بھی دشوار ہوگئی ہے اب
خدا کرے کہ گماں دل مرا سنبھل جاوے

اس بن نہ ہوتے ہم ترے ہمدوشِ نقشِ پا
دل ناک میں ہوئے ہیں غم آغوشِ نقشِ پا

اس رشک سے کہ کوئی نہ پاوے ترا سراغ
میر اغبار رہے ترا روپوشِ نقشِ پا

دل میں سودائے بتاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
نفع میں جی کا زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

کس صفائی سے ترا تیرِ نگہ تھا چھوٹا
زخم کا دل پہ نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جستجو جسکی میں کرتا تھا خدائی سے کے بیچ
دل ہی میں اس کا مکاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

قتل کر مجکو مری نعش پہ بولا قاتل
ہائے یارو یہ گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

گداز تخلص از متاخرین است از شاگردانِ میاں حسرت، سپاہی پیشہ گاہ گاہے در لکھنؤ بنظر می آید الحال معلوم نیست کہ کجاست **از وست** ؎

تجھسے گر آئیے کہاں ملئے
اپنے ملنے کی تو بتا صورت

سب کہا میر کہ تجھپہ عاشق ہوں
مجکو اپنی زرا دکھا صورت

غصے ہو کر لگا یہ کہنے گداز
مجھ تو ہوگا مثلاً صورت

خواہی وہ دلداری کرے خواہی دل آزاری کرے
دل ہی نہیں باقی رہا جو نازبرداری کرے

مدہوش چشم اس کی کریں اور زلف کھینچیں جال میں
کیونکر رکھے دل کو کوئی کس طرح ہشیاری کرے

گریاں، میر علی امجد ولد میر علی اکبر، جوانے است شایستہ متوطن شاہجہان آباد اوائل اصلاح از میاں قدرت و واخر از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ، سپاہی پیشہ است اگر روزگار فرصت میدہد شوقے بسخن دارد سلامت باشد از وست ؎

سُنے قصہ مرا جو یکدم کوئی درد و محبت کا
نہ لیوے زندگی بھر نام پھر ہرگز محبت کا

مجھے جب دیکھنا تب ہاتھ سے مکھڑا چھپا لینا
نکالا طور اُس نے اور ہی صاحب سلامت کا

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر
مرجاوے وہیں وہ آہ بھر کر

سبک روحی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے
کہ دوش شمع پر رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

حرف اللام

لطفی دکھنی، لطفی تخلص از قدیم است او راست ؎

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اُٹھا جی
دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے

میں عشق کی گلی میں گھایل پڑا ہوں تس پہ
جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

حرف المیم

احوال شعراے قدیم | ابو القاسم **مرزا** تخلص از مقربان ابو الحسن تاناشاہ رحمہ اللہ بود۔ چوں فوج ہندوستان آں ملک را تاراج کرد ایں عزیز بمقتضاے غیرت لباس فقیری پوشیدہ از جہاں عزلت گزیدہ در کنج تنہائی بہ عبد اللہ گنج کہ در حیدر آباد مشہور است بقیہ عمر بیاد الٰہی بسر برد وہماں جا مدفون گشت۔ خدا ایشں بیامرزد از وست ؎

عارض نہیں چندر کا ترے گال سوں اچھا ۔۔۔ سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا
مرزا دہ نونہال کدھر سٹ گئے چمن ۔۔۔ لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

محمود بیگ دکھنی از قدما است متوطن بیجاپور معاصر فخری بلکہ قرابتے نیز با وے داشت

لوگاں کہیں پتھر سوں کچھ سخت نہیں ولیکن ۔۔۔ جو کوئی پیا سوں بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

ملک دکھنی او ہم ازاں دیار بود **از وست** ؎

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی اوپر ۔۔۔ یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

موسوی خاں فطرت و موسوی تخلص شاعر فارسی بود، فطرت و موسوی دو تخلص داشت در زمانِ عالمگیر بادشاہ، یک شعر ریختہ ہم **از وست** ؎

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے ۔۔۔ در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے
دو چیز ہند مرا موسوی بر د در گور ۔۔۔ صدائے بکری و میرا پاؤں پروں کی جھوڑ

محق - تخلص از شاعرانِ دکھن بود لیکن از کلامش معلوم می شود کہ با مردم ہندوستان تربیت یافتہ بود **از وست** ؎

تم ہر کسی سے وعدۂ دیدار مت کرو ۔۔۔ اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

مہر علی شخصے بود از مردم دکھن در کمال ظرافت و خوش طبعی۔ پسر خطیب بادشاہ معاصران خود را بہ طعن و استہزا می رنجانید، با ہمہ کس بہ تمسخر پیش می آمد۔ چنانچہ نقل است روزے در مجلس مذاکرۂ شعر بود، شخصے شعرے خواند، پدرش معنی او بطورے میگفت و ایں برعکس او چوں بحث درمیان آمدے ایں عزیز با پدر خود گفت کہ صاحب شما مید انید (جانے ۔۔ [1] .. خطیب کا) چوں پدرش خطیب بود ایں مثل بر موقع افتاد خدا ایش بیا مرزد **از وست** ؎

موتی دریا میں اپسلے تیرے کان لگ ہوویا ۔۔۔ کہ تمن کے دو (ہ) بنا گوش کے ہمسر ہوویں

---

[1] ضرب المثل کا لفظ خلاف تہذیب سمجھ کر خارج کردیا گیا ہے

ازاحوال متوسطین

خواجہ قلی خاں موزوں تخلص صوبہ دار قلعۂ برہانپور در عہد بہادر شاہ بود ایں شعر بنام او دیدہ شد ؎

موزوں نے راہِ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہی مصلحت سے دور بجا نوں کرے گا کیا

میر میراں سید نوازش خاں خطاب داشت ازوست ؎

آہ گر باغ میں وہ سروِ خراماں گزرے
اشکِ قمری سے گلستان میں طوفاں گزرے

رائے آنند رام مخلص از شاعرانِ فارسی است شاگرد مرزا بیدل، وکیل نواب اعتماد الدولہ، در آخر سن شعر خود را پیشِ خان آرزو مے نمود، احوال او در تذکرۂ خان مذکور مسطور است گاہ گاہے بندرت شعر ریختہ نیز میگفت از آزار ضیق النفس درگزشت ازوست

آنے کی دھوم کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ار گجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

میاں شاہ فرزل مرد فقیرے بود حافظ قرآں، مردمان آں زماں از سبب فضل و کمال احترامش می نمودند۔ فکر الفاظِ تازہ میکرد ؎

سیمتن جس کا نام ہوتا ہے — اُس کو سونا حرام ہوتا ہے
اسمِ اعظم جو چاہتے ہو تم — سو فرزل کا نام ہوتا ہے
من ہرن میرا فرزل رم گیا — دشمنوں کے من کی چیتی ہو گئی
اے فرزل ناز کا گھوڑا گدا — شوخ بو ایل بے چل آگ سے چل

مضمون گلشنِ طبعت از فیض رشحات ابر سخن تازہ و عندلیب خاطرش بر شاخسار بیان بلند آوازہ، در بوستانِ سخن سروِ موزوں میاں شرف الدین المتخلص

مضمون مردے بود نوکری پیشہ متوطن جاجمو کہ قصبہ ایست متصل اکبر آباد، شروع جوانی از اکبر آباد در آمدہ بشاہجہان آباد در زینت المساجد استقامت ورزید ہر چند کم گو بود لیکن خوب گو۔ از اولاد شیخ فرید گنج شکر چنانچہ خود گفتہ ؎

کریں کیوں نہ شکّر لبوں سے مرید — کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

اصلاح سخن از خانِ آرزو میگرفت بسببِ نزلہ دندانش ہمہ افتادہ بود۔ خانِ مذکور او را شاعرِ بیدانہ میگفتند۔ نقل است کہ میاں **مضمون** سفارش آشنائے برائے روزگار پیش نواب عمدۃ الملک نمود، نواب والاجناب قبول کرد۔ آن عزیز ہمیشہ در کار و بار حاضر میماند۔ چنانچہ نواب را گمان آن شد کہ تنخواہ میباید، و این نوکر کم زبان دانست کہ شاید من نوکر شدہ ام۔ چون مدت دہ ماہ گزشت صورتِ این حال بمیان مضمون تقریر نمود۔ اوشان فی البدیہہ این شعر گفتہ پیش نواب عمدۃ الملک فرستادند۔ آن نواب قدرشناس ہمان وقت تنخواہ از تاریخِ ملازمت حساب نمودہ بخشیدند ؎

عرضِ حال اپنے سے ہیں اہلِ شرافت بے نصیب — نہیں سخن رکھتے زباں کے بیچ گویا یہ نجیب

غرض عجب عزیزے بود آخر ہماں جا در مسجد بقضائے الٰہی فوت شد خدایش بیامرزد این اشعار از وست ؎

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا — صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا
ہوئے ہیں ہر قطرہ سیتی زلبن آنسو ڈھلک دریا — کہیں کیونکر نہ چشموں کو مری مردم ملک دریا
افسون مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دل کو اٹکا — کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا
چھپکر مژہ انہوں سے اس طرح آپلنگ پر — کوئی سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا
نہ یہ ہے فتنہ قد و قامت ہے — ہنسکے پھر دیکھنا قیامت ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہر و خود پسند — ہو گیا دیکھ آرسی کے تئیں دوچند

ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی ہے — یہی غنچے کے دل میں گلجھڑی ہے

میکدے میں گر سراسر فعل نامعقول ہو — مدرسا دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

گرچہ ہے دار بھی کامل کو سرتاج — ہوا منصور سے نکتا یہ حل آج

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ — ہوا ہے خوں ہمارا آ کے لبریز

چلا کشتی میں جب آگے سے وہ محبوب جاتا ہے — کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھمتا — کسی بیتاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ — کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

مضموں تو شکر کر کہ ترا نام سن رقیب — غصے سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

مرزا مظہر از فصحاے زماں و بلغاے دوران مرزا مظہر جان جاناں المتخلص بہ مظہر شاعریست مقدس و بزرگ، اصلش از اکبرآباد است، خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تقریر و تحریر نمے گنجد یقین و حزیں شاگردان او یند سن شریفش نزدیک نود رسیدہ باشد الحال بعزت سنبھل مرادآباد استقامت دارد و ہمانجا وعظ میفرماید اکثر اہل سنت مرید او شدہ اند خدا ایشاں سلامت دارد۔ از وست ؎

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر — بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

ہمنے کی ہی توبہ اور دھومیں مچاتی ہی بہار — ہائے کچھ چارا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

نرگس و گل کی دیکھو کلیاں کھلی جاتی ہیں سب — پھیر ان خوابیدہ فتنوں کو جگاتی ہے بہار

مرتا ہوں زانئ گل دیکھ ہر سحر — سونپے کہ ہاتھ چوری و نکہت صبا کے ہاتھ

آتش کہو شرار کہو کوئلا کہو — مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کہو

چلی اب گل کے ہاتھوں سے چلا کر آشیاں اپنا — نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

مرا جتا ہے جی اس بلبل بکیں کی غربت پر
کہ جن نے آسکے برگل کے چھوڑا آشیاں اپنا

آج مت رنگِ حنا سے کفِ پا لال کرو
لے بتاں اس دل پر خون کو پامال کرو

میر مداللہ۔ الدمیر حمزہ علی رند کہ پیشتر مذکور شد جوان محمد شاہی بود تخلص مے کرد۔ گاہ گاہے در صحبت میگفت و با شعرا بسیار ربط داشت۔ در علم موسیقی نیز مہارتے پیدا کردہ بود، خیال نعمت خاں را درست میخواند از دست ؎

ایسا نہیں وہ شوخ جسے گھر کوئی پالے
پر مجھ سا ہوئے نہ اُسے ڈھونڈ نکالے

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے لیا جائے
اے وائے مصیبت کوئی کس کسکو سنبھالے

کرتے تو ہیں طرح یہ بتاں کعبہ دل میں
سب خوبیاں ہیں ہی پہ خدا کام نہ ڈالے

شیخ محمد مراد مراد تخلص در سلکِ متوسطین شخصے گزشتہ است از دست ؎

جاں بلب ہوں میں خماروں سے اور آتی ہی بہار
دفت ہی ساقی اگر جام میں صہبا کیجیے

منعم تخلص برادرِ بزرگ میاں محمد قائم، از مشاہیران نیست لیکن شعر رتبہ دارد میگوید از کلامش پختگی ظاہر است از دست ؎

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز
دل کے نگیں پہ نقش ہے نامِ خدا ہنوز

آنکھوں میں کس کے پائے نگارین کا نقش ہے
ٹپکے ہی جاسے اشک جو رنگِ حنا ہنوز

تصویر اس کی کھینچ کے ناز و ادا کے ساتھ
نازاں ہی اپنے آپ پہ دستِ قضا ہنوز

لوہو سے عاشقوں کے گلی لالہ زار ہے
منعم وہ طفل کرتا ہے مشقِ جفا ہنوز

مرزا احمدی برادر کلاں مرزا فرید ؎

پلنگ پر ایک رات آمن ہرن سو
ہمارے من کا چیتا بھی کبھی ہو

مرزا احمدی نام شخصے بود از دست ؎

مرا احوال من فسرہا دردوے
وہ اپنا لکھو دنا پتھر کا کھووے

سید امام الدین خاں ولد سید معین الدین خاں سرجوگی رسالۂ والا شاہی بود

در وقتِ محمد شاہ عفر اللہ لہ - او ہم تذکرۂ مختصر معاصرین خود نوشتہ است احوالش معلوم نیست ؎

جب سے سنی ہے اپنے فصلِ بہار آتی ۔ گلشن کے بیچ بلبل پھولی نہیں سماتی
جو تجھے گلعذار جانے ہے ۔ اپنے دل کو بہار جانے ہے
آگے لینا قرار زلفوں میں ۔ یہ تو اب بے قرار جانے ہے
گر برقِ تجلی دو ٹک اک جلوہ گر آوے ۔ تب بھر کے نظر دیکھنا سب کا نظر آوے
تم سب سیتی ہوتے ہو بغل گیر یا رے ۔ معلوم نہیں میری کب اُمید بر آوے
دل داغ سے گلشن ہیں نین اشک سے دریا ۔ ہر جا پہ اُسے عیش ہے ظالم جدھر آوے

میاں صلاح الدین عرف مکھن مشہور بہ پاک باز، مکھن و پاکباز، ہر دو تخلص داشت پسر شاہ کمال نبیرۂ شاہ جلال قدس سرہ شخصے بود گوشہ نشین از سلکِ متوسطین جوان محمد شاہی متوطن شاہجہان آباد، اکثر بہ ورد و وظائف مشغول بود - شنیدہ ام کہ در لکھنؤ آمدہ بر سوہنا و مکھن کہ قوال بچہ مشہور اند نظر اُلفتے داشت عاشق و معشوق ہر دو ہمنام گویا خود بر خود عاشق بود چنانچہ در عشق او خود گفتہ ؎

بہیں ندیاں مرے آنسو سے جو میں ہجر میں رویا ۔ کہے ہے ساری بستی ہائے مکھن نے ہمیں کھویا
جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں ۔ تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں
نہیں یوسف کی گئی گرمیِ بازار ہنوز ۔ روح پھرتی ہے زلیخا کی خریدار ہنوز

راجہ رام نراین صوبہ دار عظیم آباد، موزوں تخلص از شاگردان شیخ علی حزیں صاحب دیوان فارسی، بسیار خوش گو، آشنا پرست و سپاہ دوست بود، شعر ریختہ کم گفتہ بلکہ نگفتہ مگر در وقتیکہ خبر شہید شدنِ سراج الدولہ در شہر افتاد ہمان وقت فی البدیہ این شعر میخواند

:: خبر داران خبر می رسید و میگریست ہمیں شعر ازو بیادگار ماند ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی ۔ دِوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

شیخ محمد محسن المتخلص بہ محسن جوانے است بکمال علم و حلم از اقربائے شیخ سراج الدین علی خان آرزو برادرزادۂ میر محمد تقی، اصلش از اکبرآباد است تربیت در صحبت خان مذکور یافتہ در علم شعر مہارت بسیار دارد والحال در سرکار نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر سرفراز است از سبب تکلیفات زمانہ مدتے شدہ مزاجش راغب باین طرف نمیشود در اوائل آنچہ گفتہ ہمان گفتہ پارۂ ازاں نگارش می آرد

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کیا کروں | اک دل بساط میں تھا سو اسکو بھی کھو دیا
جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا | ہر اک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں | ہم کو تو تن بدن کی ہی اپنی خبر نہیں
جان بلب ہوں میں نکل جاوے نہ یہ جان کہیں | دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے ارمان کہیں
مرا رنگ ردا اسقدر زرد ہے | کہ یاں زعفران زار بھی گرد ہے
یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی | تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو یوں (کو)
حرف تیرے عقیق لب کا شوخ | زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کو یوں (کو)
ٹک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں | پھرے ہے تسپہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت | لیے ہی جاتی ہے دل یہ چھنال آنکھوں میں

رباعی

جب تخم محبت اپنے دل میں بویا | دین و دنیا سے ہاتھ ہم نے دھویا
اس عشق کا ہووے خانہ ویران یارب | دونوں عالم سے ان نے ہمکو کھویا

میر شعرائے ہندوستان وافصح فصحائے زمان شاعر دلپذیر و سخن سنج بےنظیر میاں محمد تقی المتخلص بہ میر رفعت واقف کاخ بالش از طاق سپہر برتر و گوہر کان ضمیرش از جوہر مہر عالی گوہر، فکر عالیش در عین خوش آئینی و طبع رسائش در نہایت شادابی، چراغ نثرش زینت وساحت انجمن گلشن، شعر نظمش چون دُر خوشاب و انداز سخنش بیحساب، صیقل ذکائے او زنگ

نزد اے آئینہ خورشید پیش ضیائے او روے رخشانِ ماہ سفید، از اوستادانِ صاحب قدرتست، طرزش مانا بطرز شفائی، برادر زادۂ سراج الدین علی خان آرزو، وہم از شاگردان اوست، متوطنِ اکبرآباد، جوانِ محمد شاہی، الحال در شاہجہان آباد است بن او بہ صحبت رسیدہ، تذکرۂ متقدمین و معاصرین از تالیفِ او بیادگار ماندہ است، رباعی، غزل و قصیدہ ہجو و مدح ہمہ میگوید لیکن انچہ گوید از غزلیات کہ بسیار باندازو طرز از وی تراود و بلکہ گرم بازاری او ہمینست بسیار صاحب دماغ است و دماغِ او می زیبد، خدایش سلامت باکرامت دارد

از وست ؎

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

تجھے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلہ کیجے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب بلا ہوا میں تب اُسکا جی نکلتا تھا

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہو ویگا
مے گلگوں کا شیشا ہچکیاں لے لیکے رو دیگا

کہاں آتے میسر مجکو تجھسے خود نما اتنے
یہ حسن اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

گلی میں اُس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر
میں میر میر اسے کر بہت پکار رہا

شب ہجر میں کم تظلم کیا
کہ ہمسایگان پر ترحم کیا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

کیا دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ
تجکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

تیرا رونے والا چلا ہوں جہاں سے — جیسے ابر ہر سال روتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے — ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

دل کا نہیں ٹھکانا بابت جگر کی گم ہے — تیرے بلاکشوں کا ہم نے حساب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے — ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے — کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

گزرا بنائے چرخ سے نالا پگاہ کا — خانہ خراب ہوجیو اس دل کی چاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا — قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا

طرفِ مشہد کتیں جو آؤں گا — تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا — کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کب تک یہ ستم اُٹھائیے گا — اک دن یونہی جی سے جائیے گا

شکلِ تصویر بیخودی کب تک — کسی دن آپ میں بھی آئیے گا

شرکتِ شیخ و برہمن سے میر — کعبہ و دیر سے بھی جائیے گا

اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد — کسے ویرانے میں بنائیے گا

گل کو محبوب میں قیاس کیا — فرق نکلا بہت جو باس کیا

صبح تک شمع سر کو دُھنتی رہی — کیا پتنگے نے التماس کیا

سوجھتا کچھ نہیں ہمیں اُس بن — شوق نے ہم کو بے حواس کیا

تا بمقدور انتظار کیا — دل نے پھر زور بیقرار کیا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا — آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

دل کتیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا — گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

گل نے ہر چند کہا باغ میں رہ پر اس بن — جی جو اُچٹا تو کسی طرح لگا یا نہ گیا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میر ‏ / سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانندِ شمعِ آتشِ غم سے پگھل گیا ‏ / بزمِ جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر ‏ / تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا ‏ / یعنی کہ فرطِ شوق سے جی بھی اُدھر چلا

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخِ زرد پر مرے ‏ / کہتا ہے میر رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس ‏ / ہائے افسوس صد ہزار افسوس

رخصتِ سیرِ باغ ہم کو نہ ہوئی ‏ / یونہی جاتی رہی بہار افسوس

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل ‏ / اک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

کی سیرِ جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں ‏ / توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

ٹک لطف سے ملا کر پھر گو کبھو کبھو ہو ‏ / سو تب تلک کہ تجھکو ہجراں سے تیری خو ہو

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے ‏ / اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

جنون میر کی باتیں دشت اور گلشن جب چلیاں ‏ / تو جب گل نے دم مارا نہ چھیڑیاں بید کی ہلیاں

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شب کو ‏ / مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہوگا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میر ‏ / کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگسِ بیمار دیکھ کر ‏ / جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسمان لیے کوچے سے یار کے ‏ / آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

افسوس وے کہ منتظر اک عمر تک رہے ‏ / اور مر گئے ترے تئیں یک بار دیکھ کر

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے ‏ / بو گئی کچھ دماغ میں گل کے

جائے روغن دیا کرے ہے عشق ‏ / خونِ بلبل چراغ میں گل کے

سیر کر میر اس چمن کی شتاب ‏ / ہے خزاں بھی سراغ میں گل کے

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری ‏ / نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

آتا ہے جی میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں
پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اس بن
کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

سننے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہی کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں

نازِ بتاں اٹھا چکا دیر کو میر ترک کر
کعبے میں جا کے بیٹھ میاں تیرا مگر خدا نہیں

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

نسیم مصر کب آئی سوادِ شہرِ کنعاں کو
کہ بھر جھونکا یہ یہاں سے لگئی گلہائے حرماں کو

گل و سنبل ہے نیرنگِ قضا مت سرسری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

گیا سیر اس خرابی کا بہت اب جی لگے سو رہیے
کسی دیوار کے سائے میں منہ پر لیکے داماں کو

یہ رسم آمد و رفتِ دیارِ عشق بازی ہے
ہنسی ووں جاے میری اور رونا یوں چلا آوے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دلِ پُرخوں کی اک گلابی سے

جی ڈہا جائے آج صبح سے ہائے
رات گزرے گی کس خرابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

یہ چشم آئینہ دارِ رو تھی کسی کی
نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسی کی

سحر بیخودی یاسے گل ہم کو لے آئی
کہ اس سمت پیماں میں بو تھی کسی کی

دمِ نزع دشوار دی جان اس نے
مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مرگیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کل ایسے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہوگا کہ وہ یہاں
نومیدی اور امید مساوات ہو گئی

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جسکے لیے — ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بیخود کیا — ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے مُنہ بھی چھپا کر چلے

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں — جان و ایمان، محبت کو دعا کرتے ہیں

بےبسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے — نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سُنا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر — ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

دلِ پُرخون ہے یہاں تجھکو گماں ہے شیشہ — شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو ٹک اک دیکھنے آ آنکھوں کی — ہر مژہ پر مری اشکوں سے رواں ہے شیشہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگہِ مینا میں — دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگا کہ کدھر بہکا پھرے ہے اے مست — جس طرح کا ہو تو چاہے تو یہاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے پہ اک وقت میں جو کر کے گداز — شکل شیشے کی بنائے ہیں کہاں ہے شیشہ

گرم ہیں شور سے تجھ حُسن کے بازار کئی — جلتے ہیں رشک سے یوسفؑ کے خریدار کئی

اب تک داغ دکھاویگی اسیری مجھ کو — مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں — وقت ملنے کا مگر داخلِ ایّام نہیں

بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے — کچھ تو ہے میرؔ کہ اکدم تجھے آرام نہیں

نہیں وسواس جی گنوانے کے — ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغیرِ حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے

تیغ کھینچے تھے داغ کھائے تھے — دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے

کچھ نہ سمجھے کہ تجھے یاروں سے — کس توقع پہ دل لگائے تھے
اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں — یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے

اجرت میں نامہ بر کی دیتے ہیں جان تک تو — اب کار شوق اپنا پہنچا ہے یاں تلک تو
افسانہ غم کا سنتے آیا ہے مدتوں میں — سو جا بہو نہ پیارے اس داستاں تلک تو

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں — اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سنئیے سو برس کی ناموس خامشی کھو — دو چار دل کی باتیں اب منہ پہ آئیاں ہیں

کام آنے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار — ہاتھ سے جائیگا سر رشتہ کار آخر کار
چشم وا دیکھ کے ٹک کیجیو چمن میں نرگس — آنکھوں میں جاتی رہیگی یہ بہار آخر کار

ڈوبے اچھلے ہے آفتاب ہنوز — کبھی دیکھا تھا تجھکو دریا پر
مدت سے لگ رہی تھیں آنکھیں در حرم سے — پردہ اٹھا تو لڑیاں نظریں ہماری ہم سے
اندنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو — خوش رہو میر مری جان جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہمنے — خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر — مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے
[illegible]ت سے کے جو بیچ جی بحال آتا ہے — خاطر پہ ہماں جہاں ملال آتا ہے
[illegible]سے دوں گئے جان یوں ہی جاتی ہے آہ — رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے

از احوال متاخرین وارث رقم دقائق و حارث اجم حقائق حارس بحر درسہ رسوم و حاکم محکمۂ علوم در گلشن فضل و کمال عندلیب حضرت شاہ قطب الدین المتخلص بہ مصیبت برادر بزرگ شاہ اجمل کہ پیشتر مذکور شد از فرزندان شاہ خوب اللہ الہ آبادی فاضل و عالم عربی فارسی و عربی گاہ گاہے برائے خاطر ریختہ گویان آن دیار ریختہ ہم می فرمود از زینہ سے برائے زیارت مکہ معظمہ رفت و بعد از مراجعت منزل مقصود جان بجان

آفریں سپرد نور اللہ مرقدہٗ - از وست ؎

سیاہ بخت کے گھر کون ہے جو لائے چراغ
مرے مزار پہ جلتا ہے دل بجائے چراغ

مشکل کہ پہنچے اس صفِ مژگاں میں دل اتمیب
کیونکر سپاہی جائے فرنگی کی باڑھ میں

مولوی غلام حسین المتخلص بہ محزوں الہ آبادی، عالمِ بےنظیر و فاضل خوش تقریر، میاز رمیدان دلائل چابک سوارِ عرصۂ فضائل، شاعر فارسی بود، بندہ باوے ملاقات نہ کردہ لیکن اکثر از زبانِ یاران آں دیار وصف آں بزرگوار شنیدہ، درا وائل چندے ریختہ ہم گفتہ طبع وردمند داشت، از کلامش ظاہر است، اصلش از شاہجہاں آباد بود برائے تحصیل علم در آں شہر آمدہ استقامت نمود از بسکہ مدتہا ماند مشہور بہ الہ آبادی شد از مدتے جان بجاں آفریں سپرد رحمہ اللہ ؎

زمیں پر مت ٹپک اشکو نہیں یہ سنگ نہ سن ہی
ارے او بیمروت یہ کسی کمبخت کا دل ہی

کوئی نہ منع کرو اس کو مے پرستی سے
ابھی بہ نامِ خدا عالمِ جوانی ہے

یہ نہیں ممکن کرے زاری دلِ ناکام کم
گرچہ آنکھوں میں نہیں باقی ہے بہرِ نام نم

جب سی دل اٹکا ہی زلفوں میں نہیں کرتا ہی آہ
صید کو لینے نہیں دیتا یہ کافر دام دم

بات کہتا غیر سے اور دیکھنا ہر دم ہمیں
سب سمجھتے ہیں پیارے یہ تری ایہام ہم

میر قمر الدین المتخلص بہ منت از نجیب زادہائے قصبۂ سونی پت ہمراہ نواب عماد الملک بکمالِ خوبی بسر میبرد حقتعالے سلامت دارد از وست ؎

منت اپنے کو دل دیا تو نے
ارے مرحبا کیا کیا تو نے

شیخ غلام احمد قادری المتخلص بہ منشی ساکن دادری سرکار نارنول کہ قصبہ ایست از دار الخلافۂ شاہجہاں آباد، از شاگردان مرزا مظہر جان جاناں بہشتی، واقف تخلص داشت چون از شاہ واقف واقف شد منشی، نمود در انشا پردازی تیلے مربوط است شعر فارسی خوب میگوید و ریختہ ہم، از چندے وارد فیض آباد است، خوش اوقات پاکیزہ صفات، تلاش حرف

تازہ می زاید خدا سلامتش دارد۔ از وست ؎

سخن تیر نگہ سے کر مرے دل کو نشاں اپنا — کہ میں قربان کیا ہی تجھ کماں ابرو پہ جاں اپنا
ترا لیتا ہے نقدِ حسن کو آئینہ آنکھوں میں — خدا کے واسطے ٹک کر جیا کو پاسباں اپنا
گریباں سا ہے زخمِ دل تری بیداد کا ظالم — کہ تر کرتا ہے آبِ تیغ سے ہر دم دہاں اپنا
نہ پہنچی مجکو آفت ہرگز اس گردوں کی گردش سے — زمینِ خاکساری کو کیا میں آسماں اپنا

مسافر تخلص نمیدانم از کیست و کجائیست اینقدر میدانم کہ از معاصرین من است یک شعر از و بگوش خوردہ از کلامش چاشنی تصوف می آید از وست ؎

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبے کو جائیے — واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

شیخ ولی اللہ المتخلص بہ محب مرد بیست نوکری پیشہ خوش اندیشہ اصلش از شاہجہاں آباد است از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا سخن او خالی از لطف نیست پیش مہربان خاں بطرف فرخ آباد بسر میبرد از وست ؎

عارض اُسکے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے — جس طرح شبنم سے ہوں گلبرگِ تر بھیگے ہوئے
اشک سے مژگاں ہی نم تجھ تک پہنچتی نہیں نگاہ — مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

میاں کاظم علی المتخلص بہ مفتون از جوانان الہ آباد است گاہ گاہ فکرے نماید از وست ؎

شکایت کیا رقیبوں کی کروں اس لاؤبالی سے — سمجھتا ہی نہیں کچھ نیک و بد وہ خورد سالی سے

شاعرِ دردمند و گدا ز حافظ فضل علی المتخلص بہ ممتاز سر رشتہ طرزِ کلامش استوار و گلِ فکر بالش رشک لالہ زار سخنش سخن شاعرانہ و طرزش استادانہ، مرد لیست حافظِ قرآن از شیخ زادہائے شاہجہاں آباد و از تلامذہ مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ شنیدہ ام کہ الحال بطرف دکمن رفتہ۔ یک مثنوی مسمٰے بہ لاٹھی نامہ خوب گفتہ کہ سلسلہ او را تا بہ عصائے کلیم رسانیدہ۔ بسے مانندِ شاخِ گل برو گلہائے فکر دوانیدہ چند بیتے ازاں بیاد است

من مثنوی ؎

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز — سب سے ہے ممتاز کو لاٹھی عزیز
کو بچ و مقام اُس کا ہی سب اپنے ہاتھ — جب کہیں چلیے تو ہے بے عذر ساتھ
ہاتھ میں رکھتے ہیں اسے ہوشمند — ڈرتے ہیں سب اس سے درندا و رگزند
کھینچ نہ سکیے جہاں شمشیر و تیغ — اُس کو لگا بیٹھیے واں بے دریغ
اتنا کم آزار اور ایسا شفیق — اور بھی کوئی ہے کسی کا رفیق
کس میں یہ توفیق ہے کیجو خیال — ہاتھ پکڑ گرتے کو لیوے سنبھال
چوب نہیں دلبرِ خوشخو ہے وہ — یار ہے وہ قوتِ بازو ہے وہ
اسکے گھرانے کو جو کیجے خیال — چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ذی کمال
کوئی تو ہے خامۂ معجز طراز — کوئی ستمگر ہے نَے نغمہ ساز
کوئی تو ہے ہمسرِ تیغ و قلم — نامِ بزرگان یہ بزرگی علم
اُس کے گھرانے کو بڑائی قدیم — واں ہے اعجازِ عصائے کلیم
بیہدہ رکھنے سے وہ وارستہ ہے — راستی اپنی یہ کمر بستہ ہے

غرض ازیں قبیل بسیار گفتہ و دُرہائے معانی سُفتہ **من اشعارہ**

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا — ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ — یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ
ڈروں میں کس لیے رنجش سے یار میں کیا تھا — میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا
جفائے یار نے کسطرح کر دیا مایوس — اور اپنی خاطرِ امیدوار میں کیا تھا
ترے ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک — وگرنہ ہستیِ ناپائدار میں کیا تھا
کوئی ہزار دعا مانگے یا کرے تعویذ — لکھا ہوا نہ مٹے کوئی کیا کرے تعویذ
میں تیرے داغ کو رکھتا ہوں اسلیے دل میں — کہ آشنا کا دیا آشنا کرے تعویذ
کیونکے سرسبز ہو شاہی و گدائی کی ہوس — رہ گئی آہ مرے دل میں خدائی کی ہوس

بال و پر توڑ کے جب تو نے قفس کو سونپا | وہیں آخر ہوئی صیاد رہائی کی ہوس
طالب وصل بتاں پھر بھی ہوا ہے ممتاز | دل میں باقی ہے کچھ اک داغ جدائی کی ہوس

گزرا کبھی شاید کہ وہ محبوب چمن میں | آتا ہے نظر جامۂ گل چاک چمن میں
اک روز میں ممتاز سے پوچھا کہ تو چل باغ | ٹک غنچۂ گل دیکھیے اور تاک چمن میں
اتنا ہیں کہا سن کے مری بات کو بھر آہ | بن یار کروں سیر چمن خاک چمن میں

ہمارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا ہے | کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے
ہے اندنوں دل نالاں فرنگ کا گھڑیال | رہے رہے کبھی آپھی پکار اٹھتا ہے

عشق میں عرض تمنا مانع پیدا ہے | میرا ہی دست دعا منہ پر مرے دیوار ہے
دل کے بہلانے کو کچھ خاطر پہ اپنی تو نہ لانا | جب تو رہ ممتاز پھر دیکھیگا آخر یار ہے

یاد اس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہے | لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے
گو کہ آنسو نہ رہے تو بھی ہے یاں نم باقی | چشمہ ہر چند کہ ہو خشک تری رہتی ہے
مت ہنر پہ تو ہو نازاں مدد بخت ہے شرط | قابلیت جو ہے ممتاز دھری رہتی ہے

جو کیفیت نہ مے میں تو کیا خمار میں ہو | جو رنگ و بو نہ گل میں تو کیا بہار میں ہو
جلے پتنگ تو روتی ہے دیکھ حال پہ شمع | بلا سے یہ بھی کہیں طور اپنے یار میں ہو
نکر تو جبر نصیحت کا ہم پہ اے ممتاز | سخن تو کہتے ہیں اس سے جو اختیار میں ہو

بے نیازی عشق کی دہ کچھ تمھارا ناز یہ | اس کا کیا انجام ہوگا جس کا ہے آغاز یہ

از موزونانِ جہان و خوشگویانِ زمان خانصاحب مہرباں محترم خاں المتخلص بہ محترم جوانے است خوش معاشش دیار باش نوکری پیشہ، ہمراہِ برادر خود خواجہ محمدی خاں کہ صاحب رسالہ در سرکار نواب قاسم علیخاں بہادر بود عمدہ روزگار ماندہ بہرہ بادرانش شوقِ شعر دارند، درآں میاں از ہمہ طرز کلامش مؤثر، از شاگردانِ شاہ رکن الدین عشق تخلص، بافقیر بسیار آشناست، خدایش بسلامت دارد۔

ازوست ؎

جو دل سے گرے اہل دلوں کے وہ کدھر کا — دنیا کا نہ دین کا نہ ادھر کا نہ ادھر کا

اے ہمسیر کو کہاں جائیں — یار بن سونی ہیں سبھی جائیں

کوئی تیرا خیال جاتا ہے — دل کو ہر چند یار سمجھائیں

ملنے کی میاں نرمی ہوں کر — رہجاتا ہے ہائے دل ترس کر

سو بار گر لبوں پہ آ مری جان پہنچے — تو بھی نہ دیکھنے کو وہ بدگمان پہنچے

پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک — شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

جس نے دیکھی ہو یار کی صورت — کب خوش آوے بہار کی صورت

محترم کیا بیاں کروں تجھے — اس دل داغدار کی صورت

خون ہو کر سرشک ہوتا ہے — اس میں ہوتی ہے یار کی صورت

پونچھوں اس کو اگر میں دامن سے — شکل بگڑے نگار کی صورت

یعنی پتلی نہیں ہے آنکھوں سے — ہائے ری ہائے یار کی صورت

مجنوں تخلص شخصے ست در عظیم آباد طبع موزوں دارد شعر خود را پیش میر ضیا سلمہ اللہ میگذراند از مذاق کلامش بوے دردمندی می آید ازوست ؎

جی مرا از بس ترا محو خیال نور تھا — دل سے جو شعلہ اٹھا تھا سو چراغ طور کا

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے — اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

کتنا سمجھاؤ کوئی شوخ مرا سمجھے گا — مجھ پہ جو کچھ کہ گزرتی ہے وہ کیا سمجھے گا

خط تو بھیجا ہے پر اب خوف یہی ہے دل میں — میں نے کیا اسکو لکھا اور وہ کیا سمجھے گا

اتنا بھولا ہے تو باتوں پہ بتاں کی مجنوں — پر کوئی دل کو مرے یار بھلا سمجھے گا

تیری تو گرد کو بھی نہ ہرگز صبا لگی — اے میری خاک تجھکو کہاں کی ہوا لگی

نہ دل ہے نہ جگر داغدار پہلو میں — بسا ہے آکے کوئی بیقرار پہلو میں

کہ بطرف خبر آباد است خیر آباد باشد۔ از وست ؎

دیں چلے تیری جفا کو دلِ صد چاک ہیں ہم — دیکھیں گر کچھ بھی وفا تجھ بت بیباک ہیں ہم
نقشِ پا کی نمط اے راحتِ جانِ عاشق — تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک ہیں ہم
لختِ دل یونہی ہے جو نکلے ہے نیت قاصد اشک — تیرے حال اپنے کے بھیجے ہیں تجھے ڈاک ہیں ہم

این مضمون بسیار خوب است لیکن بندشش درست نیست ہر کہ محاورہ دانست می داند۔

خوش ہم عریانی سے اتنے ہیں برنگِ بوئے گل — نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں پوشاک ہیں ہم

"خوش ہم عریانی" ناموزون است چرا کہ میم بار را چناں چسپیدہ است کہ عین چوں چشم غزال از میان رم کردہ است و ایں سخت عیب است نیز از وست ؎

نہ پھرے نالوں سے راتوں کو معین اپنے — آہ کب تک رہینگے گردشِ افلاک میں ہم
یہ جانِ تابِ تپِ عشق سے جلی افسوس — کسی نے آن کے اک دم خبر نہ لی افسوس
. . . . — نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس

مصرع اولے از خاطر رفتہ است۔

ایں محاورہ درست نیست، مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند نہ دوپہری مگر مردم بیرونجات۔

اٹھائے لیتے ہیں اہلِ محلہ اس کو آج — معین سے چھٹتی ہی یار سے تو یہ گلی افسوس
بیتاب ہو پتنگ جو فانوس میں ہو شمع — یارب کوئی اسیرِ بتِ خانگی نہ ہو

مضمون خوبے یافتہ مگر لفظ بتِ خانگی نا مانوس است فقیر در ہیچ جا نشنیدہ،

میاں یہ آرسی ہر یک کو منہ دکھاتی ہے — تو ایسی قحبہ سے کیوں انکھڑیاں لڑاتا ہے

شاہ مجنوں تخلص، نو مسلم، نبیرۂ کشن ناتھ کہ دیوانِ محمد شاہ بود و پدرش نیز ہماں مذہب داشت این غریب مسلمان شدہ لیکن تا حال بوئے کفر و نفاق از دلش

نرفتہ سر و پا برہنہ با حالِ پریشان میگردد بیشتر حسرت تخلص داشت بعدہ حافی نمود
چون بصحبت میر انشاء اللہ رفت مجنوں تخلص کرد، خود را از شاگردانِ میر تقی می شمارد
لیکن ہماں مثل است خرِ عیسےٰ اگر بمکہ رود، از وست ۔

پھر اب یہ چونچلا ہے کل وہوں قرار ٹھہرا — کہتا ہے مجھے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجکو جھٹ سے — تو اپنے منہ سے آہی بے اعتبار ٹھہرا

بدیع الزمانخان المتخلص بہ مخلص جوانے است حسین عمدہ روزگار اصل او از
شاہجہان آباد است مدتے در خدمتِ فراشخانہ سرکار نواب عالیہ سرفراز بود از
چندے معزول شدہ بوطن خود رفت، از شاگردانِ شاہ واقف، جستہ جستہ خوب
میگوید با فقیر نیز آشنا است خدا سلامت دارد ؎

ہاں نکلتا ہر گھڑی نالہ جگر سے باہر — اندنوں تیری ہے تاثیر اثر سے باہر
شبکو خورشید صفت صبح کو مانندِ ہلال — دیکھا اُس کا تو ہے شام و سحر سے باہر
لیجا تو دل کو یوں تو ترا اعتبار ہے — پر شرط اس زمانے میں قول و قرار ہے

محمد علیخاں ولد نعیم اللہ خاں مشہور بہ مرزا کی مرد بسبب کمال قابلیت و انسانیت
خوش معاش و عمدہ روزگار در سرکار نواب عالیہ اکثر بخدمات دو دو دست سرافراز
میشود در علم موسیقی ہم دستے بہم رسانیدہ و زمرتے پیدا کردہ بیشتر مشغول ہمین است گاہ
گاہے دو سہ شعر ہم میگوید حقتعالیٰ سلامت دارد ؎

رباعی

جو کوئی کسی کو یاد رکھیا وے گا — یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل یاد دیگا
اس دور مکافات میں تم ہائی غافل — بیداد کرے گا آج کل پاویگا

مرزا علی نقی محشر تخلص از کشمیر است در بلدۂ لکھنؤ استقامت دارد لیکن ویسی
کہ تخلص قیامت دارد سلامت باشد از وست ؎

دریا میں لیکے لاش کو میری بہا دیا | قاتل نے میرے قتل کا یہ خوں بہا دیا

بہارِستانِ باغِ سخندانی و چمنستانِ گلزارِ معانی شیخ ہمدانی المتخلص بہ مصحفی طبعِ روانش جدولِ کتابِ فصاحت و فکرِ بیانش مسطرِ بیاضِ بلاغت، رنگینیِ نظمش سرخیِ بابِ گلستان، و پیچیدگیِ الفاظش چوں سنبلِ بوستان از نجبائے امروہہ مولدش اکبرپور کہ قصبہ ایست وطن بندگانش از قدیم متصل دہلی الحال در شاہجہاں آباد بہ پیشۂ تجارت بسر میبرد از دیوان او دو سہ جز دینظر در آمدہ قصیدہ و غزل و مثنوی ہمہ خوب، کلامش بیشتر شاعرانہ، از تخلصِ او معلوم مے شود کہ مردے صالح است، برائے حجام پسر مثنوی خوب گفتہ چنانچہ ایں چند شعر قلمی مے نماید از مثنوی اوست

زبس آئینہ رو ہے طفلِ حجّام | نہیں بن دیکھے اس کے دل کو آرام
جو دیکھے انگلیاں وہ گوری گوری | بنے خورشید پانی کی کٹوری
وو جس کے روبرو ناگاہ آیا | اُسے حیرت نے آئینہ دکھایا
ملا جب آئینے کو اب تائی | بنائی چار ابرو کو صفائی
نہ کھینچے خامۂ مو اسکی تمثال | کہ وہ ہے عاشقوں کی ناک کا بال
سُنے ہی مصحفی اب تو بھی فی الحال | منڈا کر سر کو ہو جا فارغ البال

من غزلیاتہ

برہم زن تقریر نہیں پیر و جواں کا | جوں غنچہ میں عقدہ ہوں کہ اپنی ہی زباں کا
پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزار حیف | بے اختیار رنگی ہم کہ یہ خوابِ صبح
گل کترے سے بلبل مری، فریاد کے آگے | سر سبز ہوئی گرد کب استاد کے آگے
ایکدن روٹھ کے لگا لی تھی میں نہاں کلفتِ دل | اس تلک دامنِ صحرا ہے غبار آلودہ
تلخ ہو جو لینے میں اس کے مزا ہے کچھ اور | چھیڑ کر گالیاں کھانے میں مزا ہے کچھ اور
مار ڈالا ہے مجھے زلف کی دو کرنے کے تئیں | بیو قافیہ بھی کہتا ہی جتا ہے کچھ اور

دلا تا چند آہ و نالہ بس کر   کوئی دم تو بھلا ضبطِ نفس کر
کوئی خوابیدہ ہم سے جاگتے ہیں   نہ اتنی ہی اے بانگِ جرس کر
جہاں کا گل بنے وہ شوخ یارب   مجھے تو اُس چمن کا خار و خس کر

ہے اس کی آئینہ میں خط و خال پہ نظر   کرتا ہے کب ہمارے وہ احوال پر نظر
قلیاں ہوا ہے جیسے لبِ یار کا ندیم   مشتاقِ بوسہ رکھتے ہیں مُہنال پر نظر
اک حشر تازہ ہو ویگا دیوانِ حشر میں   جب ہم کرینگے نامۂ اعمال پر نظر

یار یہ دونوں اگر کم ہوں تو کم ہیں بہتر   نہ ترا پیار بھلا اور نہ ستم ہیں بہتر
او نافہم مریجاں کوئی کیا سمجھے   کہ سمجھتے ہیں تری بات کو ہم ہیں بہتر

آچکا خط پہ سرِ مو نہ گیا ناز ہنوز   ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز
بے پر و بال کیا تو بھی قفس میں مجھکو   چین دیتی ہے نہیں شوخیِ پرواز ہنوز
ہوں میں اے مصحفی آئینہ تہِ زنگ ولے   مجھے غافل ہی مرا آئینہ پرداز ہنوز

ہے دلبروں میں تو ہی عاشقوں کا اک خونریز   لہو بھرا ترا دامن ہے ہم کو دستاویز
اُٹھا غبار تو وہ بھی ہوا مشابہ خط   سوائے ہند کے دیکھی نہ خاک قابل تمیز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز   ساون کا سا گزرے ہے میاں مجھ پہ تو ہر روز
اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہو شب کو   آ رہتی ہے اس بات کی ہم تک بھی خبر روز
اے مصحفی اُس کوچے میں دل اسکا لگا ہے   جاتے نہیں ورنہ کرتے ہیں ہم عزمِ سفر روز

شوق سے لکھیے اگر جانبِ جاناں کاغذ   ہو کبوتر کی طرح آپ پرافشاں کاغذ
دل بہ دل راہ جنہیں ہوتی ہے وہ آپس میں   بھیجے رہتے ہیں نت غنچے سے پنہاں کاغذ
پڑھنے پڑھنے جو کوئی ہو سو لکھے نامۂ شوق   بھیجنا یار کو ایسا نہیں آساں کاغذ

ہوئی ہے بسکہ یہ فصلِ بہار دامنگیر   چلیں ہیں چمن سے تو ہوتا ہے خار دامنگیر

سمجھ کے رکھیو قدم دل جلوں کی تربت پر ‏— مبادا ہو کوئی تیر اشرار دامنگیر

واقفہ اے بیباک نگہ دیدۂ تر ہے درپیش ‏— دن ہیں برسات کے اور رہ میں خطر ہے درپیش

دل حیران کی مرے دیکھیے صورت کیا ہو ‏— اتنے تو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش

کرے ہے جوں جوں لے اپنے حسن کی وہ شوخ آرائش ‏— ہمارے عشق کی ہوتی ہے یاں اتنی ہی افزائش

نہیں کچھ مصحفی اتنا تو مفلس سوچیے کیا ہو ‏— بطور امتحاں کیجیے کبھی اس سے بھی فرمائش

دیکھ لیتے ہیں ہم اس سے گاہ گاہ روئے گل ‏— تا ابد رہیو سلامت چاک دیوار قفس

ہے نہاں داغ جگر زخم نمایاں کے تلے ‏— جس طرح لالہ کہیں ہو گل خنداں کے تلے

آشیاں بندی کی تکلیف نہ کر ہمکو ہوس ‏— گر رہینگے کسی دیوار گلستاں کے تلے

فصاحت بیان و بلاغت نشان بہار پیرائے عبارت خوش اسلوب چمن آرائے معانی مرغوب مرزا غلام حیدر المتخلص بہ مجذوب خلف و استاد دستاد ان مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالے اگرچہ دیدہ آشنا است لیکن باہر کہ آشنا است آشنا است علو طبیعتش باوجود سخندانی بخاموشی مربوط و مزاجش بکمال کم گوئی مبسوط، الحق ؎

خاموشی کہ داشت از کمال داشت ‏— آب گہر موج صدا نیست آشنا

گاہ گاہ از غزل و شعر فکرے نماید، خدایش سلامت دارد از وست ؎

اشک آنکھ میں ہو عشق سے تا دلمیں غم رہے ‏— یہ گھر ہے وہ خراب جو آتش سے نم رہے

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر ‏— صیاد نے سنا یہ ترا نا تو ہم رہے

چمن میں حسن کرے جب وہ گل اندام لے آیا ‏— ادھر غنچہ صراحی اور ادھر گل جام لے آیا

نجو بے قصد اپنے دل کی بازار محبت میں ‏— جو کوئی صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا

خوباں سے ہم دل ملا کرے گم ‏— دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا

شکر ہم اس طرح جہان سے چلے — یاد ہی کچھ نہیں کہاں سے جیے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے — بس بھی تو یار کم نہیں دو چار کے لیے

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار — جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

مجذوب بہر سجدہ وہ منت تھی شیخ سے — پھر برہمن سے عجز ہے زنار کے لیے

ہمیں کیا لطف ہے منہ دیکھنا واں یار کا اپنے — جہاں وعدہ اُسے عالم سے ہو دیدار کا اپنے

گیا ہے دل نے مستغنی وصالِ یار سے ہمکو — تصور دل میں نت رہتا ہے اس دلدار کا اپنے

گھر امن کا اُسی کو ملا آسمان تلے — جس نے جہاں میں آن کے مسمار کی ہوس

بتاں قربانیِ عشاق کی تمہید کرتے ہیں — لگا مہندی کو ہاتھوں میں یہ ظالم عید کرتے ہیں

کہو کسطرح تم سے بحث کریں پیش لیجاؤں — تمہارے ہی سخن کی ملکے سب تائید کرتے ہیں

بھڑک اُٹھتا ہے شعلے کی طرح ہر نخل اے بلبل — چمن میں گر ترے نالے کی ہم تقلید کرتے ہیں

خط بھی نکلے گا ترے ابھار دن دو چار میں — غیر کی معلوم ہو گی چاہ دن دو چار میں

اب تو مجذوب اس صنم کے قول پر بھولا ہے تو — یاد آوے گا تجھے اللہ دن دو چار میں

آہ میں اپنی ثمر ڈھونڈے ہے اے مجذوب تو — سرو میں ہم نے لگیں ابتک نہ پھلیاں دیکھیاں

عداوت سی تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں — بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں

تمہارا ہمسے جو عہد وفا ہے اس کی تم جانو — مرے پیماں میں کچھ نوعِ دگر ہووے تو میں جانوں

نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب ہے وصل کی تھوڑی — تم اپنی زلف کھولو سحر ہووے تو میں جانوں

اشراف یا کمینہ طلب گار ہو کوئی — دوں گا اُسی کو دل جو طرحدار ہو کوئی

نہ سایۂ چمن میں نہ صیاد کے حضور — یا رب مری طرح نہ گرفتار ہو کوئی

دیکھوں ہوں نقاب میں میں رخسار گاہ گاہ — حق کا نظر پڑے ہے یہ اسرار گاہ گاہ

ہر وقت کی طلب سے مبادا اسے ہو قدر / دل مانگتا ہے مجھ سے وہ عیار گاہ گاہ

گزرے ہے یوں خیالِ وطن جوں کرے ہے یاد / خو کردۂ قفس گل و گلزار گاہ گاہ

طاقت کہاں کہ حال کہے اب طبیب سے / ٹھنڈی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

رسوا تو یہ ہوا ہوں کہ ناصح کی بات کا / کر بیٹھتا ہوں دل ہی میں اقرار گاہ گاہ

آ دے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو / بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو

مجذوب ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں / بندہ کبھی ہو بیٹھے ہے تو گاہ خدا ہو

جور و جفا پہ یار کی دل مت نگاہ کر / اپنی طرف سے ہووے جہاں تک نباہ کر

مجذوب گر ہے خواہشِ عشقِ بتاں تجھے / ایمان و دین و دل کو تو پہلے تباہ کر

ہم سے ہو خفا غیر سے نرباہ کرے ہے / یوسف تو مرا اور ونکی اب چاہ کرے ہے

زلفوں کی گرہ دینے سے کچھ فائدہ اے یار / ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

اعجاز جو تجھ لب کے کرے گوش فلک پر / عیسیٰ کے رہیں اُسکے نہ پھر ہوش فلک پر

پھرتا تجھے خورشید جو دیکھے بسرِ بام / گردش کو کرے اپنی فراموش فلک پر

تیری ہی دُھن کی رہتا ہوں میں سخت ایک دو / ہیں غیر میرے سامنے کیا زحمت ایک دو

خط آئے پر یہ کثرتِ عُشاق پھر کہاں / مجذوب سے رہے کوئی کمبخت ایک دو

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں / اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں

خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ سبکو / سودا کا اس کو بیٹا مجذوب جانتے ہیں

میر عوض علی اصلش از شاہجہان آباد است مرد[1] خوش باش و بشاش کشادہ پیشانی خوش معاش متواضع و یار باش شاعر بےنظیر و منشی خوش تحریر مخزنِ اشعارِ غرا معدنِ انشا و املا تخلص

---

[1] اصل نسخہ میں یہ لفظ ت سے لکھا ہے لیکن صحیح ہائے ہوز سے ہے۔

مدعا، طبیبِ خوش نصیب بخداقت قریب بعنایات یزدانی از راہ قدرشناسیٔ نکتہ دانی خان عالیشان خلف حافظ رحمت عنایت خاں غفر اللہ لہ سد صدر و پیہ مید ا دچندے در بریلی اقامت داشت الحال معلوم نیست کہ کجاست از اشعارِ ریختۂ او کم بنظر آمدہ مگر ایں چند بیت کہ در تہنیتِ شادی خانِ بلند مکان محبّت خاں سلمہ اللہ در زمین قصیدۂ لپک ٹپک گفتہ۔ چنانچہ بنگارش می آید بعضے مضامینِ تازہ یافتہ و زبان افاغنہ بستہ، خدایش سلامت دارد از وست ؎

پھر ہی بادل شدگاں درپئے آزار فلک
متصل چھڑکے ہی نا سور پہ چھاتی کے نمک

ماہ نے کھول دیا ہے کفِ سیمیں اپنا
دوسرا ہاتھ جو پایا تو بجا یا دستک

نشۂ عیش سے ہی سرو بیاں تک سرشار
کہ لیا چاہی ہے غنچے سے کے نمکدانِ سی گزک

حسن کے خلوتیاں بزم حنابندی میں
شعلے سے باندھی ہیں پروانے کے پاؤں پہ کفک

محفلِ عیش میں بلبل نے بجادی شہنا
گوشۂ باغ میں غنچے نے اُٹھالی ڈھولک

غمزہ یہ گرم کہ ہو برق زن خرمنِ عُمر
عشوہ یہ ظلم کہ ہو رہزن قوم نردک

چشم آشوب قیامت سے لکھا دے محضر
صفِ محشر کو اُلٹ مارے ہے ہر ایک پلک

شعلۂ حسن کی گرمی سے عرق ریز جبیں
دیکھی ہوگی کبھی و تاب میں موتی کی جھلک

قلقلِ شیشہ یہ کہتا ہی کہ مت بیٹھ خموش
جام ماری ہے صف بادہ کشاں پر چشمک

ساقیِ شوخ کہے ہی کہ غنیمت ہی وقت
ساغرِ عمر تو لبریز ہے مت جائے چھلک

شیخ اگر کچھ بھی ہو غیرت کی تری دل میں ترنگ
ساغرِ شیشہ اُٹھا سبحہ و سجادہ ٹپک

جشنِ نواب فلک رتبہ محبت خاں ہی
جس کی شادی میں ہیں سب جمع بزرگ و کوچک

لختے زادوں کے جو دیکھو تو ہنگام سرود
مچ رہا ہی یہی غل رعشۂ ہٹک ہٹک

وہ جو گلگون سواری کا ہی تیری مخصوص
کیا کہوں وصف یہاں عقل چلی جانے بہک

مہِ نو نعل ہی اور کاہکشاں بحرِ قطاس
اُس کی مدد میں ہی فلک پہ یہ مرصع ادہنک

لب بیاں جلدی کا اُس کی ہی کہ جوں مرغ دعا ہاتھ اُٹھانے میں گیا فرش سے لے عرش تلک

گر مصوّر کرے تصویر کو اُس کی منظور قبضۂ وہم سے اُڑ جائے ہی بے شبہ و شک

ازیں قبیل تعریف ہر یکے نمودہ بعد قصیدۂ مرزا رفیع سودا دریں زمین الحق کہ خوب گفتہ است خان ذیشان محبت خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خان المتخلص بہ محبت باوجود اسباب امارت طبع موزوں بتواضع مقروں دارد بعضی اوقات کہ آں منبع جود و سخا قدردان شعر المضمون تازہ مائل میشود باصلاح خواجہ حسن یا میاں حسرت جرأت نمودہ اشعار برجستہ ادا مینماید اکثر با صاحب سخنان زماں از روئے خوش خلقی صحبت میدارد از مغتنمات وقت است سلمہ اللہ

آپ ہی کچھ غیروں کو چھپ چھپکے رقم کرتے ہیں یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

مذکور جو مجلس میں ہوا درشن کسی کا سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا

تھا ارادہ تو نہ آتے ایکے ہم تیری طرف پر کریں کیا جو پڑا اپنا قدم تیری طرف

غور کیجو ٹک محبت کی نگہ سے حسرتیں نزع میں بھی دیکھتا ہی دمبدم تیری طرف

زلف سے تیری اتصال ہوا خوش مرا آج بال بال ہوا

عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے آج چہرہ مرا بحال ہوا

غیر کے گھر قدم رکھا تو نے دل محبت کا پائمال ہوا

دیکھتے تھی جو کہ ہم عشق اب تجھے دکھلائیگا کوئی دن میں آپ تو اپنے کئے کو پائیگا

جوں ہمارا دل ہمیں لاتا تھا گلیوں میں تری اُس کے کوچے میں ترا دل اب تجھی لیجائیگا

کل کس نے دلا تجھ پہ یہ بیداد بغل میں سُنتا ہوں جو ہر شب تری فریاد بغل میں

بس یار سے کچھ مجکو نہیں شکوہ جفا کا جو ہے سو یہ اپنا ستم ایجاد بغل میں

کیا دیوے گا کوئی ہمیں تعلیم محبت رکھتے ہیں ہم اس فن کا تو اُستاد بغل میں

درویش کی خوبی تو تو نگر میں نہیں ہے اکسیر میں جو کام ہے سو زر میں نہیں ہے

دلبر تو مرا کل سے نہیں ناصح مشفق — آج اور تماشا ہی کہ دلبر ہیں نہیں ہی

نہیں ملتا ہی تو مجھ سے بُت خود کام کس باعث — نہ ملنا تھا تو پھر مجھکو کیا بدنام کس باعث

یوں دیکھتا ہوں زلفِ سیہ فام کی طرف — گھبراکے سپید دیکھے ہی جوں دام کی طرف

جی چاہی بوسہ دے مجھے جی چاہتے اور کچھ — دیکھو پرانے دیکھکے تو نام کی طرف

ہوا سر دار پر منصور کے ہونے سے یوں ظاہر — کہ بعد از مرگ بھی عاشق کی سرداری نہیں جاتی

جو چاہی ہوش تو بیہوش ہو جام محبت سے — یہ بیہوشی ہی ایسی جس سے ہشیاری نہیں جاتی

صاحب ہوش و گوش میر نبی جان المتخلص بہ مدہوش نبیرہ حضرت خواجہ محمد باسط قدس سرہٗ جوانے است خوشرو و نیکخو از شت گردان میر سوز سلمہٗ ہنوز ابتدائے مشقیست اگر زمانہ فرصت میدہد گاہ گاہے دو سہ شعر میگوید با فقیر بسیار آشنا ست سلامت باشد از وست ؎

لیا جس نازسی تونے مرا دل — خدا جانے ہی اس کو یا ترا دل

مردیست متخلص بہ مشتاق از سلک متوسطین مولد وے شاہجہان آباد است اکثر شعراو دار طراف شہر مشہور اند با فقیر در فیض آباد ملاقات شدہ است در احاطۂ اپنے مسکن دارد گاہ گاہے در بازار برخور دیشود ظاہرا بہ پیشۂ معلمی جائے قرار دارد عمرش قریب شصت رسیدہ باشد لیکن با ایں بزرگی بعجز و انکسار پیش می آید نامش ا: یاد رفتہ ا[ست] غرض منصف مزاج است چند اشعار او بدست آمدہ بود بطور متوسطین میگوید ؎

نہ لطف نہ کچھ مہر نہ کچھ پیار ہی دیکھا — ظالم سے جو دیکھا سو میں آزار ہی دیکھا

مشتاق کو کیا غم ہے خدا جانے یار د — جب دیکھا اسے ہم نے تو بیمار ہی دیکھا

جو ناز ساتھ آگئے نازک مزاجیاں تھیں — اب تو وہ رفتہ رفتہ بیداد ہو چلیں ہیں

ہم غریبوں کی اگر تونے نہ کی غمخوارگی — جور ہا تیری پیارے بندئی بیچارگی

نہیں اس قدر دل لگانے کی دہشت — جو کچھ ہم کو ہی اس زمانے کی دہشت

ملا تو ہوں تجھسے مرحبان لیکن — ابھی دل میں ہی روٹھ جانے کی دہشت
چلے تم میری چشم و دل سی اے سرو روان کیدھر — مکان پیدا کیا ہی دو سر لئے میر یجان کیدھر
غنیمت جان لے مشتاق یہ رنج و تعب اپنا — جہاں دم چل بسا یاں سی تو پھر آہ و فغان کیدھر
پاس خاطر ہم غریبوں کی کہاں منظور ہے — تو تو اپنے حسن میں پر جو بان مغرور ہے
جی میں خطرہ بھی نہیں تیر اگر رتا لطف یار — سینہ و دل حسرتوں سی یاں تلک معمور ہی
یا ربب تا کہ کہ آشنائی ہی — ہم ہیں اور تیری بیوفائی ہی
اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے — پھر جو دیکھا تو واں خدائی ہی

ردیف النون

ازاحوال سلک متقدمین | ملا نوری از قاضی زادہائے قصبہ اعظم پور بود با ملا فیضی کمال ربط داشت شعر فارسی میگفت گاہ گاہے ہندی ہم میگفت از تذکرہ محمد قایم ہمین یک شعر یافتہ شد قلمی مینماید از وست ؎

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد — بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

نامی تخلص از نامداران دیار دکھن است بزبان شہر خود دیوان خوبے دارد چون بنیاد ریختہ اوّل از زبان دکھن است بنابرین صاحب سخنان این فن و معنی شناسان مغز سخن طرز زبان ہر دیار را معیوب نمیدانند و پیروی معانی میکنند حاصل کلام از کلام نامی بوئے دردمندی ہویداست رحمہ اللہ از وست ؎

مجھکو برہ کے پنتھ میں کاہل نکو کرد — یعنی آپسکے کی یاد سے غافل نکو کرد
ہم دل دیا تمھن کہ ابسار دن کچ ہمیں — دل ہاتھ لو مرا مجھے بیدل نکو کرد
کاڑ جلا ڈرا کھ کرے راضی ہیں ہمن — سب کچھ کرو پر ایک کٹھن دل نکو کرد
اور ان تر ی ہیں یار ہمن ہیں تو رے غلام — اور ان کے ساتھ نامی کو شامل نکو کرد

سید شجاع الدین دیگر نوری تخلص از سادات بلدۂ گجرات است نوکری پیشہ
مدتے بعلاقہ روزگار در حیدرآباد بسر برد ازبسکہ قابلیت داشت و مردم آن دیار
درانوقت قابل دوست بودند رفتہ رفتہ بہ تعلیم پسر وزیر سلطان ابوالحسن تاناشاہ
مقرر گشت وعروجے بہم رسانید آخرالامر حاسدان آن دیار او را بمحبت وزیرزادہ
متہم ساختند بیچارہ ازانجا غربت گزیدہ در بلدۂ سرہند استقامت ورزید چندے
بسر بردہ برحمت الٰہی پیوست غفر اللہ لہ از وست ؎

نوری اپنے دل کی کسی سے نہ کہہ سکا ۔۔۔ حاصل بھلا ہے اس سی دوانے جو تھا سو تھا

از شعرائے قدیم **مرزا علی قلی** ندیم ازتخلص متوطن شاہجہان آباد مردے بود
بکمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ در ریختہ بخوبی میگفت
چنانچہ اکثر از مرثیہائے او مشہور اند رحمہ اللہ از وست ؎

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں ۔۔۔ بجائے مو بدن کو آگ کے شعلے نکلتے ہیں
بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال ۔۔۔ مرچکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

از احوال متوسطین | محمد شاکر ناجی تخلص معاصر میاں آبرو اوائل سلطنت
محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را بخندہ می آورد
و خود نمیخندید تکیہ نشینے میکرد متوطن شاہجہان آباد بود تلاش صنعت ایہام بسیار
داشت کہ رائج الوقت متوسطین بود خدایش بیامرزد از وست ؎

نمکین حسن دیکھکر پی کا ۔۔۔ رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا
دیکھ موہن تری کمر کی طرف ۔۔۔ پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
رکھو مت چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی ۔۔۔ لب صدف کے ترنہیں ہر چند ہیں گوہر میں آب
تری نگاہ کی گرمی سے اے کمان ابرو ۔۔۔ ہمارے سینہ میں تو داہ اٹھے ہے تیروں کا
پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے ۔۔۔ کھولے سیے لب تہرا زوردوں سے

کرو کرم ای دوستاں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

آج تو ناجی سجن سے کرلے اپنا عرض حال
جینے مرنے کا نہ کر سو اس ہونا ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری سی دل کو لیجاتا ہے وہ
پاس میری تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہے وہ

تبسّم یہ رقیبوں سے خلل ہے
تری بھاویں ہنسی میری اجل ہی

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھی کل ہی

ہوا جب آئینے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھا کیا ہے

نرگس کتیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھی ہیں میں نے پیاری آخر تمھاری انکھیں

مجھکو باتوں میں لگا گیا جانئے کیا کہہ گیا
لیچلا جب دل کتیں منہ دیکھتا میں رہگیا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نپوچھا کس لہر میں بہ گیا

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے
شمع دہے ہمارا موم کی ناک

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں
یہ دن بہار کے ایجان مفت جاتے ہیں

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہکے دیا
جنھوں سے وعدہ کیا ہی انھیں چھپاتے ہیں

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہی

تجھکو کیوں کر جدا کروں ایجاں
زندگانی بہت پیاری ہے

جان ہے جیوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جاں بخش آگے تیرے سجن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہی
یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہی

سخن سن اس بت کا فردا کا
جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

نپوچھو خود بخود ہی عارض خورشید کی خوبی
لیا ہی ذرہ ذرہ حسن مہ دیدار سے کر چندا

بلند آواز سی گھڑیاں کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نادر تخلص مردے بود در عہد محمد شاہ غفر اللہ در کوٹلہ فیروز شاہ میماند بہ ندرت سخن

میگفت اشعارش لم ہم میرسد مثل مشہور است کہ النادر کالمعدوم فکر سخن پایۂ
سخنش با اُستادان ہمسایہ خدایش بیامرزد از وست ؎

زلف کو کہنا پریشان عقل کی دوری ہے یہ | ہر گرہ میں اس کی دل ہی گانٹھ کی پوری ہے یہ
دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کی دور نہیں | دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں
لپٹی ہی جاہی مکھڑے سے خورشید رو کے زلف | اتنی بڑی ہوئی ہے پہ ذرہ شعور ہیں

مرزا نور اللہ از مردم شاہجہان آباد بود کہ ہر یک فرنگی بچہ تعشق ہمرسانیدہ آوارہ
میگشت یعنی کارش بسودا کشیدہ بود دیگر احوالش معلوم نیست از وست ؎

کبھی تو آکے مرے دل کے داغ کو دیکھو | یہ یوں جلے ہے کہ جیسے چراغ کو دیکھو

علی نواز خاں مرزا مدّو کہ از عمدہ رفقایان عمدۃ الملک بودند چنانچہ الحال وہمیں
شہر موجودند ایں شعر بنام او شنیدہ شد خدایش سلامت دارد ؎

بہار آئی سنی اُڑتی خبر سی | چمن میں آج ہے بلبل کی برسی

خواجہ محمد اکرم المتخلص بہ نزار از شاگردانِ میر تقی است فقیر او را ندیدہ ہمیں غزل
بنام او شنیدہ چنانچہ بنگارش می آرد از وست ؎

کیا کہیے غرض صبر کا مقدور نہیں ہے | اک زخم نہیں دل پہ کہ ناسور نہیں ہے
ہر طرح کی باتیں ہیں تری بزم میں ہر ایک | افسانہ مرے حال کا مذکور نہیں ہے
آنا ہی تو آجا مری بالیں پہ وگرنہ | کوئی دم میں سنے گا کہ یہ رنجور نہیں ہے
کیا پرسشِ احوالِ جہاں سوختۂ عشق | اس مملکتِ حسن میں دستور نہیں ہے
نزدیک ہے مرنے کے وفا کشتہ نزار اب | ٹک دیکھنے چلیے تو بہت دور نہیں ہے

میر عبد الرسول نثار از نجبائے روزگار و از شرفائے نامدار مردیست سنجیدہ
فہمیدہ اصلش از اکبر آباد است و بزرگانش در عصر فرخ سیر با اقتدار بسر می بردند بندہ
او را در شاہجہان آباد دیدہ بود از یاران میر محمد تقی است بعضی و فکرش مسرت افزا

سلمہ اللہ حال احوالش معلوم نیست کہ کجاست ہر جاکہ ہست سلامت باشد از وست

جو ہی یعقوبؑ یوسفؑ دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہی ڈھنگ تجھ بن
منہ سی اڑا ہی گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپے ہی خاک و خوں میں
ہی صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن

یاں گل رکھے پھری ہے دستار پر تو اپنی
واں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

ڈرا کرتے نثار اُس پہ ڈر دن ہوں ہیں کہ وہ شوخ
اس بھی حرکت سے کہیں بیزار نہووے

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کی نکلجاویں گی ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

کیا ہوا ہم بھی جو دنیا میں یہ ناشاد رہے
تو سلامت رہی اور یہ تری بیداد رہے

مَے نہ مینا میں رہی ایسے نہ فانوس میں شمع
شیشۂ دل میں مرے جوں وہ پریزاد رہی

انتہا شوق کا پاؤں تو لکھوں ای قاصد
کہیو کچھ حال زبانی جو تجھے یاد رہی

ہم اُس جفا شعار کے آفت رسیدہ ہیں
پہنچے نہ آسماں کا ستم جس کی گرد کو

از سلک متاخرین محمد پناہ خاں نثار تخلص جوانیست مؤدب و متواضع با فقیر بسیار دوستی دارد بیشتر کہ فیض آباد میماند اکثر در فقیر خانہ بر در زمشاعرہ می آمد اگرچہ دراں ایام شعر نمیگفت لیکن گوش دل بر سخنہائے رنگیں داشت ہمراہ نواب بیرم خاں الحال در شاہجہان آباد مقیم ہست۔ شنیدہ ام مشق سخن از اصلاح حضرت خواجہ میر درد دام افضالہ مینماید اشعارش مشہور نشدہ است سوائے دو سہ بیت از و بگوش نرسیدہ نو مشق است خوب خواہد گفت

آنکھوں سی لخت دل کو آنسو نکال دے ہی
مُردے کو جس طرح سی پانی اُچھال دے ہی

نعیم اللہ المتخلص بہ نعیم از شاگردان میاں محمد حاتم مردیست متوطن شاہجہان آباد میگویند کہ بسیار بر خود غلط است بندہ اورا ندیدہ است واللہ اعلم۔ دیوان مختصر دارد۔ از کلام او چنیں معلوم میشود کہ فکرش سرسری است بعالم اعلیٰ نرسیدہ است

مگر بعضے جستہ جستہ خوب میگوید این غزلش مشہور عالم است ؎

کیا فائدہ جو غیر سے وہ ہمکنار ہے
ہم سے تو اب تلک وہی دار و مدار ہے

بن دیکھے اُس کے جان نہ دونگا میں اے اجل
مدت سے مجھ میں اور یہ اُس میں قرار ہے

یہ جور اگر اور یہ بیداد رہے گا
تو کاہیکو عالم میں کوئی شاد رہے گا

یہ گالیاں دیتے کی ترا آنکھیں کھانا
مجھکو تو لب گور تلک یاد رہے گا

جان بھی اُدھر گئی جس طرف کو قاتل گیا
میں بھی جاتا ہوں اُدھر جس سمت یہ دل گیا

گر ہمیں کہے گا ہم بھی کہیں گے کچھ نہ کچھ
گالیاں دیدی کے غیروں کو بہت تو ہل گیا

آیا نہیں ہے اس کا جو پیغام اب تلک
اس واسطے نہیں مجھے آرام اب تلک

بلبل تجھے ہے صحبتِ گل اور سیرِ باغ
ہم کو وہی قفس ہے وہی دام اب تلک

اپنے ہی کچھ نصیب کا شاید قصور ہے
ورنہ وہی ہے صبح وہی شام اب تلک

کھبا ہے جب سے ترا یہ جمال آنکھوں میں
ترا ہی مجھکو رہے ہے خیال آنکھوں میں

خیال کر کے تری مو کمر کو روتا ہوں
وہ کیونہ رووے پڑے جس کی بال آنکھوں میں

کس سے لگا دیں دل کوئی محبوب ہی نہیں
اور سچ کہو تو کام یہ کچھ خوب ہی نہیں

کبھو دل سے نعیم کو اپنے
یاد کرتے ہو یار سچ کہیو

گو فرض کیا ہم نے غمخوار بہت ہوں گے
ہمسا نہ کوئی ہوگا یوں یار بہت ہوں گے

دیکھ آئینہ خانے میں گر تجھکو نہیں باور
تجھسے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے

شاکی ہے ابھی سے دل تو وعدہ خلافی کا
ایسے تو کہی آگے اقرار بہت ہوں گے

ایکدن بھی نہ کیا تو نے گذر حیف ادھر
ہم ترے واسطے یار عمر بسر راہ رہے

ابتو کرتے ہو یاں ہم سے محبت لیکن
دیکھئے دل کے لئے یہ بھی یہی چاہ رہے

حال سنتا ہی نہیں ہے کسی شیدائی کا
باوجود آپ ہی عاشق ہے وہ زیبائی کا

مجھے جو گور میں بھی یاد وہ گلفام آوے گا
تو حیراں ہوں وہاں بھی کس طرح آرام آویگا

جو نہ ی بیقراری میں خبر اُس کی نہیں لاتا   تو پھر اے نامہ بر کس دن تو میری کام آویگا

میاں امان اللہ معمار المتخلص بہ نثار مردے از مردم شاہجہاں آباد است تازہ گو است اکثر الفاظ عمارت را بعبارت کرسی نشین میکند و کار ریختہ و غزل را بخوبی بہر بیت بسر انجام میرساند تا حال در ہماں شہر است ہمیں یک شعر او بگوش خوردہ

غیر دروازہ پہ بیٹھا راہ ہی تکتا رہا   شب کو وہ کوٹھوں ہی کوٹھوں گھر ہمارے آرہا

از موزونانِ جہاں محمد عسکری متخلص بہ نالاں متوطن شاہجہاں آباد است از تازہ گویان آں دیار ہمانجا مسکن دارد، از شاگردان میان حاتم ست

تھا منتظر کہ یار کا پیغام آگیا   قاصد تو آج روز مرے کام آگیا

از مردم شرفا و نجبا میر مرتضیٰ سلمہ اللہ المتخلص بہ ندا متوطن دہلی بسیار متواضع آشنائے پرست طبع موزونے دارد و اکثر بوضع خود میگوید سلامت باشد ست

صنم کا طاقِ ابرو دل عبادت گاہ جانے ہے   بڑا کافر ہی بتخانے کو بیت اللہ جانے ہی

ردیف الواو

از سلک متقدمین غفر اللہ لہم درویش خفی وجلی شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی مشہور و معروف مردے بود از خاکِ گجرات بر یک صنمے عاشق شدہ در وقت محمد عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ در خدمت شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمودہ از توجہ آں بزرگوار مقبول اعلیٰ وادنیٰ گردید تعریفش از احاطۂ تحریر و تقریر بیرون است بنائے ریختہ را چنیں مستحکم نمود کہ الحال از بلندی طاق سپہر افسردہ چوں دکھنی است بکثر زبان خود حرف زدہ است ابتدائے ریختہ از دست اوّل استادی این فن بنام او ست تیمناً و تبرکاً بقلم می آرد رحمۃ اللہ ست

دل کو گر مرتبہ ہے درپن کا   دیکھنا مفت ہے سریجن کا

نپوچھو عشق میں جوشِ وخروشِ دل کی ماہیت
برنگِ ابر دریا بار ہی رومالِ عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیّاد نہ آیا
شاید کہ اُسے حال مرا یاد نہ آیا

ہمیشہ ہے بہارِ سروِ آزاد
نجاوے دولتِ حُسنِ خداداد

جب آیا مست ساقی جام لے کر
گیا یکبارگی آرام لے کر

نجانوں خط ترا کس بے خطا پر
چلا ہے آج فوجِ شام لے کر

میں اُس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ
جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر

صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسّم

ندو آزار میرے دل کو اے آرامِ جاں سمجھو
یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہرباں سمجھو

زندگی جامِ عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

جوں گل شگفتہ رو ہیں سجن کے چمن میں ہم
جوں شمع سربلند ہیں ہر انجمن میں ہم

اکبار ہنس کے بول سجن ورنہ حشر تک
جوں برق بیقرار رہیں گے کفن میں ہم

سُن کے احوال مرا ناصحِ مشفق نے ولی
ہاتھ سے ہاتھ ملا درد سے سینا کوٹا

تِل میں دل کو ملائے لیتے ہیں
پھر گویا ان تلوں میں تیل نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں مہرو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اکبار مری بات اگر گوش کرے تو
ملنے کو رقیبوں کے فراموش کرے تو

ایجان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

دیکھوں ہوں جسے وہ مبتلا ہی
خوباں کی نگاہ میں بلا ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کر جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

ہی حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنت ہے بہار کیوں کہ جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو ولی کے
نگاہِ پاکبازاں کیمیا ہی

باغِ ارم سے بہتر موہن تری گلی ہے
ساکن تری گلی کا ہر آن میں ولی ہی

غرور حسن نے تجکو کیا ہی اس قدر سرکش ‏ ‏ ‏ کہ خاطر میں نہ لاوی تو ترے ہاں گر ولی آوی
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اُس کو ‏ ‏ ‏ کرتی ہی نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی
عالم میں تری ہوش کی تعریف نہیں کی ہی ‏ ‏ ‏ ایسا تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے
ولی اس گوہر کانِ حیا کی کیا کہوں خوبی ‏ ‏ ‏ مری گھر اس طرح آتا ہی جو سینے میں راز آوے
ہُن ولی رہنے کو دنیا میں مکانِ عاشق ‏ ‏ ‏ کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

از سلک متوسطین | محمد واحد متخلص بہ واحد اوائلِ سلطنت محمد شاہ طفلے بود نیرین میلفت در صغر سن درگذشت متوطن شاہجہان آباد در محلۂ بیجل مسجد سکونت داشت از متوسطان بود از وست ع

سورج کی بھانت آئینۂ دل صفا کرے ‏ ‏ ‏ اک قرصِ نان پر جو کوئی اکتفا کرے

غنچۂ گلستانِ سخن میر ابو الحسن صاحب ہمت المتخلص بہ وحشت مردے بود از سلک متوسطین نبیرۂ تیر انداز خاں مرحوم سپاہی پیشہ بعلاقہ نوکری بسر می برد مشق شعر بمشورۂ مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ میکرد در ایامے کہ مشاعرہ در شاہجہان آباد بخانۂ خان آرزو مقرر بود مدتے شد کہ بقضائے الٰہی فوت شد جوان اہل بود رحمہ اللہ ع

قاتل اگر کہے کہ سکتا ہے چھوڑ دیو ‏ ‏ ‏ خنجر تو ایک دم کے لیے منہ نہ موڑ دیو
لگتا ہی مجھکوں آج پیارا جہان خراب ‏ ‏ ‏ شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب
کہیں یہ جھوٹ دیکھا دے تجھے جب میں بلاتا ہوں ‏ ‏ ‏ صریحاً تو چلا جاتا ہی اور کہتا ہے آتا ہوں
ایک جا کہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں ‏ ‏ ‏ ہی عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں

میر ولایت اللہ خاں حقایق و معارف آگاہ مقبولِ درگاہ الہ صاحب کمالات وافیہ و حالاتِ شافیہ مفتخر الاعیان میر ولایت اللہ خاں گوہرِ دریائے سیادت و جوہرِ تیغ شرافت چراغ بزم ہدایت المتخلص بہ ولایت ابن میر باقی اصلش از خوست است از مریدان حضرت خواجہ جعفر قدس سرہ بندہ در شاہجہان آباد اکثر آں

بزرگ را بہ مبال فقرا دیدہ در عالم پیری رخش مثل ماہ می درخشید و را پاس فقری
شاہانہ معاش مینمود - عالم عالم اکرام و احترامش میکردند - طبع شریفش مائل بتصوف
بسیار بود چہ از فارسی و چہ از ریختہ ہمہ بہ تصوف و توحید بر طرز خود فرمودہ است
عارفی میباید کہ مغز کلامش را دریافت نماید قریب دوازدہ سال شدہ باشد کہ
بہ رحمت الٰہی پیوست - یک رباعی از وقلمی مینماید مشتے نمونہ از خروارے - غفر اللہ لہ از وست

در بحر محیط غیر پانی کیا ہے　　ظاہر ہی جو کچھ ہی یاں نہانی کیا ہی
گر پایا سا ہی پی پیر نہا غوطے مار　　باہر تو بجز خاک فشانی کیا ہی

از سلک متاخرین **لالہ نول رائے** مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے
المتخلص بہ وفا از تذکرۂ محمد قایم چناں ظاہر گشت کہ جوانے است نوخاستہ بزیور
علم و عمل آراستہ ہوش و گوش و فہم و ذکا صاحب حلم و حیا لطافت مزاج از گل زیادہ
مانند بلبل دل از دست دادہ - برادر خردش راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام
امیرالدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود لیکن این عزیز مصروف اکتساب و غریق مطالعہ
کتاب طلب ہر کمال دامنگیر حال طبع دردمند داشت - عاشق مزاج بود اکثر فارسی
و ریختہ مینماید خدا بر عمرش بیفزاید از وست ؎

کہے ہی کس سے دل احوال اپنا　　پڑا ہی یاں ہمیں جنجال اپنا
ہووے گا دل سے محو غم یار کب تلک　　کیوں ہمنشیں یہ جائیگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے مرا نالہ و فغاں　　یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک
کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری　　ہم ذرا داغ سے جس کے نہ خبردار ہوئے
پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہی　　کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہی
ہوتے تو دل سہج میں گرفتار ہو گیا　　اب چھوٹنا یہ زلف سے دشوار ہو گیا
دینا تو دل نہ آپ کو منظور تھا و لے　　جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

کچھ حیرت نظر نہیں آتی مجھے کہ آج / لگتے ہیں اس کے کان سے اغیار دمبدم

اپنی ہی چشم کے تئیں تاب نظر نہیں / ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اس قدر کہ شیخ / واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں

کس تیغ برق جلوہ کو دیکھا کہ اب تلک / ان بن ہی التیام سے زخم کہن کتیں

الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہی اغیار کی / ریجھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

آنے کا مرے وہ سن کے چرچا / نکلا نہ تمام روز گھر سے

دل کو کہیں ہی جی میں گرفتار کیجئے / یعنی کسی صنم کے تئیں یار کیجئے

گر مانگتا ہے جی کے تئیں دیجئے وفا / کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجئے

رفیق ہرزہ گو ہے دشمن جاں / بلد رہزن کو ہے نالا جرس کا

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں / آخرش وہ بھی جان رکھتا ہے

اپنی غرض کو ہم تو سبھی دکھ سہیں گے نیک / ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زباں خراب

بسکہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم / بستر گل پر بھی لرزاں ہیں قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کر لیا ہے اس نے اے محرم تو کیا / یاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

حال دل کیونکے کہوں اس سے وفا غیروں میں / جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہ ہو

راضی وہ ہو کے رات سیج میں مچل گیا / عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا

میکشوں نے مے میں پایا بھنگیوں نے بنگ میں / مل رہا ہے وہ طرح پانی کی ہر یک رنگ میں

شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا / بجھ نہیں جانتا چراغ اپنا

یار تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام / آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا

نہ کشتی پار ہی بہ کر گئی اپنی نہ دار آئی / ہوئے ہیں غرق دریا اس گھڑے جب عین جا آئی

ساتھ تجھ سے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے / عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے

میر مبارک علی ولد شاہ قدرت اللہ قدرت پیش پدر خود و در مرشد آباد سکونت دارد ۵

نہ دیکھی تھی کسی نے اب تلک سیماب میں آتش
ہوئی ہے مشتعل میری دلِ بیتاب میں آتش

میر بہادر علی از یارانِ میاں حسرت المتخلص بہ **وحشت** سید زادۂ خوش اوقات و نیک صفات جوانِ وضعدار در پیشۂ سپہگری استوار اکثر در تعیناتی بطرفِ گورکھپور بجہت روزگار بسر میبرد۔ طبع موزونے دارد۔ با فقیر بسیار آشناست۔ بفرمایشِ یارانِ آں دیار بارہ آتا دیگر مانند بکٹ کہانی گفتہ است حقتعالے سلامت دارد از وست

کبھی ہم سی یار کو لطف تھا کبھی ناز تھا کبھی پیار تھا
شب و روز وصل کو رویئے کہ عجب وہ لیل و نہار تھا

تو ذرا سی جوں ہیں سرک گیا ہیں اجل سے دوں ہیں دوچار تھا
مرا دل ہوا اشک ٹپک گیا جگر آہ و نالہ سی پک گیا

رباعی

دشوار تھا اک قدم بھی جانا دل کا
جب تک کہ کہیں نہ تھا ٹھکانا دل کا

اب لحظہ بہ لحظہ ہے بہانا دل کا
کوچا ترا دیکھا ہے سو جانے کے لئے

شاہ واقف المتخلص بہ **واقف** عارفِ اسرارِ طریقت و واقفِ رموزِ حقیقت کاشفِ مکاشفات وجدانی سالکِ مراتباتِ وحدانی۔ اصل وے از شاہجہان آباد داشت در اوائل کہ مشقِ سخن در عالمِ مستی و بیباکی داشت بسیار بصفا حرف میزد الحال بسبب فضیلتِ عقاب فکرش بر سپہرِ معانی بلند پرواز شدہ کہ بنظرِ ہمچو ما پست نظراں نمی آید از انجملہ اینچہ بفہم میر سید قلمی مینماید۔ حقتعالے طائرِ بیانش را چوں ہلال از تیز بالی روز بروز بلند تر گرداند۔ در وقتیکہ بسرکار نواب شجاع الدولہ بہ تہمت نقش نویسی ناحق گرفتار شدہ بود دراں مقدمہ حسبِ حال خود ایں غزل گفتہ

بیخطا پھرتے ہیں اور اہلِ خطا پھرتے ہیں
دور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پھرتے ہیں

تمام غزل ہمیں طور ادا کردہ است طرزِ کلامش ہمانا بطرزِ ناصر علی و جلال اسیر است الحال از یں فنِ شعر گزشتہ مصروف بخواندنِ منطق و معانی و رمل و نجوم است خدا بانصرام رساند با فقیر بسیار دوستی دارد سلمہ اللہ

خیالِ وعدہ نے ازبسکہ شب نظر میں رہا — تمام رات مرا جی صدائے در میں رہا

جلایا مجھکو مرے ضبطِ آہ نے جوں شمع — اُٹھا جو شعلہ جگر سے تو پھر جگر میں رہا

چمن سے کون باتیں اپنے جانے کی سناتا ہی — کہ گُل کا ایک رنگ آتا ہی اور اک رنگ جاتا ہی

اشک سے آتشِ دل ہم تو بجھاتے ہی رہے — آہ پر نالے تو اور آگ لگاتے ہی رہے

نقشِ قالی کی طرح سو کے نہ چونکے ہم آہ — ٹھوکروں سی تو بہت یار جگاتے ہی رہے

کہیو اے بادِ صبا واہ میاں واہ میاں — جی سے (کر) جاتے رہی ہم اور تم آتے ہی رہے

مانع ہوئے آنے سے جو مجھکو تری در کے — رویا سرِ بازار میں سر زانوں پہ دھر کے

جب دیکھئے اس کو یہی حسرت رہی دل میں — جوں نورِ نظر ٹک مری آنکھوں سی نہ سرکے

کوئی علم پہ نازاں ہی کرامات پہ کوئی — اک روسیہ ہم ہیں کہ اِدھر کے نہ اُدھر کے

دیتی ہی نہیں چین مجھے چشم دل اُس بن — بیگانے کا کیا دوش[له] جو دشمن ہوئے گھر کے

صبا کہیو چمن کے عندلیبانِ غزلخواں کو — کرو تم چہچہے ہم دام میں ہو جائیں زنداں کو

ڈھلا دن آج کا بھی اور نہ آیا تو تو پھر ہم نے — چراغِ آہ سے روشن کیا شامِ غریباں کو

جنت و سایۂ طوبےٰ نہیں درکار مجھے — بس ہی اے یار ترا سایۂ دیوار مجھے

ہوسِ سیرِ چمن لے تو چلی ہے یاں سے — پر کسی دام میں مت کیجو گرفتار مجھے

کبھی ایسا بھی اے خدا ہو گا — وہ صنم ہم سے آشنا ہو گا

روز و شب مجھکو ہی یہی دھڑکا — نہ ملوگے کیا ہو گا

خوبرو ہو کے باوفا ہووے — میں نہ مانوں اگر خدا ہووے

جب کہ یاد آتا ہی گلشن میں مرا گلرو مجھے — خضرِ راہِ بیخودی ہوتی ہی گُل کی بو مجھے

یہ دل پھر آہ مژگانِ بتاں سی بے طرح اٹکا — مجھے جس خار کا ڈر تھا وہ پہلو میں مرے کھٹکا

وداعِ یار سے دل پر جو حال ہی سو ہے — زباں سے گو نہ کہا جی کا حال ہی سو ہی ○

له اصل نسخہ میں "دوست" لکھا ہی "دوش" ہونا چاہیئے

نہ پوچھ حسنِ سلوک آہ مجھ سے اُس بُت کا — وہی ستم وہی ایذا کی چال ہے سو ہے

تم تو شبِ عدو پر اپنے گھر سے چل کر رہ گئے — صبح ہوتے ہوتے ہم جوں شمع جل کر رہ گئے

اَن مَنے ملنے کا اُس کے یاد آتا ہے سماں — اِک قدم رکھا تو دس جا گہہ مچل کر رہ گئے

جب تک وہ مقابل بُتِ مغرور رہو وے — بیتابیِ دل کوئی طرح دُور رہو وے

سرگوشی سے جو سامنے کرتا ہے میری بات — ڈرتا ہوں اُسی کا کہیں مذکور رہو وے

درد جو بے اختیار ہم سے ہم آغوش ہے — یاد سے واقف تو آج کس کی فراموش ہے

غیر کے جا تو اگر ہم سے بھی لے یار ملے — عکس سے اپنے بھی پھر آنکھ نہ زنہار ملے

(کی)
سب سے ملتے تو ہو ظاہر میں یہ ڈر لگا ہے مجھے — کہیں مجھ سا نہ کوئی اور گرفتار ملے

واقف سے ملتے جو کوئی ڈھکے سمجھے تو کہہ — بھولا ہوں راہ پوچھوں ہوں آیا تھا کام کو

کروں میں شکوہ تیری بیوفائی کا — جہاں میں نام نہ لے کوئی آشنائی کا

ابھی حواس بھی ثابت مجھے نہیں آئے — خدا کے واسطے مت نام لے جدائی کا

صد نالۂ جانکاہ گرہ در تہِ لب ہے — کیا جانئے کیا آج مرے دل پہ تعب ہے

غرّہ نہ ہو قربِ کرمِ یار پہ واقف — اس ابر کے دامن میں نہاں برقِ غضب ہے

نہ قاصد ہی پہنچ سکتا ہے اب اس تک نہ گام اپنا — الٰہی مضطرب ہوں کس طرح بھیجوں پیام اپنا

بہت موقوف شکوے وصل پر تھی اس جفاجو کر — کیا سو یک نگہ نے اُس کی قصہ ہی تمام اپنا

دام سے زلف کے پھر دل کو چھڑایا نہ گیا — سر سے اس بختِ سیہ کا مرے سایا نہ گیا

اچپلاہٹ اسے کہتے ہیں کہ شوخی سے وہ شوخ — میری آنکھوں کے تصور میں سمایا نہ گیا

ہجرِ جانکاہ کس طرح گزرے — یار بن آہ کس طرح گزرے

دیکھیں میں نہیں بلا اوقات — اپنی دلخواہ کس طرح گزرے

صبح پر وصلِ یار کی ٹھہری — آہ کچھ سے انتظار کی ٹھہری

کیا طرح اُس گلی میں کہہ تو صبا — میرے مشتِ غبار کی ٹھہری

مت بلڑ اُس سے بس کر اے واقف
اب تو دار و مدار کی ٹھہری

روزِ خزاں چمن میں جو دیکھا ہزار کے
اک مشت پر پڑے تھے تلے شاخسار کے

آوارہ ہو کے دل سے شکیب و قرار و صبر
یارب کہاں بسیں گے یہ اُجڑے دیار کے

یارانِ ہمنشین و رفیقانِ دوستدار
سب آشنا ہیں زندگیِ مستعار کے

جب مُند گئی یہ آنکھ تو اے دوست بعد مرگ
پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے

صبا گلشن میں جاویگی تو یہ کہیو بجو گل سے
تجھے اے بیوفا کیا فائدہ ہے خون بلبل سے

شکیب و طاقت و صبر و توان و دین و دل اپنے
سبھی آوارہ ہو کر اُٹھ گئے تیری تغافل سے

خون آنکھوں سے ہم جو روئے ہیں
تیری مژگاں کے کانٹے بوئے ہیں

جو صنم تجھ سے دل لگاتے ہیں
سو وہ ہم سے خدا کے کھوئے ہیں

کبھی کبھی جو کرم کی نگاہ کرتے ہو
غرض کہ جان مری دل میں راہ کرتے ہو

ہمارا تھوڑے دنوں میں یہ حال پہنچایا
بھلا رقیب سے کیونکر نباہ کرتے ہو

یہ کون ڈھب ہے کہ ناواقف ہی میں نہیں واقف
وہی نہ جس پہ کرم کی نگاہ کرتے ہو

میں تو گیا تھا سونپ کے دل کو وفا کے ہاتھ
اے آہ چھٹ[1] گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ

جب ہم سے قولِ وعدۂ دیدار کا ہو ذکر
مارے ہی میری ہاتھ پہ تب منہ چھپا کے ہاتھ

کہوں کیا اُس کو مدعی کی حقیقت پوچھے گیا ہو
وہی شام و سحر ہی اور وہی امروز فردا ہی

توقع زندگی کی دوستاں رکھیئے گا کم ہم سے
کہ جوں نقشِ قدم چھٹتا نہیں کوئی صنم ہم سے

ہے جس کی خرمی سے زندگانی اپنی وابستہ
خفا رہتا ہی سو ساعت بساعت دمبدم ہم سے

پیار کی باتوں سوا ہم بھی تو رہ سکتے نہیں
دل میں آتا ہی کہ کچھ کہیئے یہ کہہ سکتے نہیں

ہر آن ہم سے کیوں ہے عبث بدگمان تو
اپنا سا اور کو نہ سمجھ میری جان تو

اک روز کی جدائی میں مرتے ہیں یا نہیں
یکبار یہ بھی کر لے مرا امتحان تو

---

[1] چڑھ گیا ہونا چاہیے

کیا کیا کہا تھا کیو نکے لیا تھا ہمارا نام
قاصد خدا کے واسطے پھر کر بیان تو
نپوچھو فتنہ برپائی گو میری سرو قامت کی
اُٹھا مجلس سے وہ اور اہلِ مجلس پر قیامت کی
یہ دل پھر آہ مژگانِ بتاں سے بِی طرح اٹکا
مجھے بس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مرے کھٹکا
نہ آیا پھر نظر جیسے۔ گیا جوں عمرِ رفتہ تو
بنارس کی میں گلیوں میں بہت بھولا بسا بھٹکا
جگر میں آہ ہے آنکھوں میں نم ہے
خدا جانے یہ کس کا تازہ غم ہے
ان رقیبوں سی گئے گزری ہیں کیا اے یار ہم
وہ شریکِ بزم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم
جو صنم خاطر نہ رکھے عاشقِ رنجور کی
ایسے ملنے سے بھلی صاحب سلامت دُور کی
مژگاں تری ادھر کی کدھر بھر کے رو کریں
اب کس کے دل میں دیکھئے ناخن فرو کریں
ہر چند وہ جمال ہی آنکھوں کے سامنے
لیکن کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
تیری نگہ لطف سے وابستہ ہیں یاں ہم
جوں عکس ذرا پھرنے میں رو کے کہاں ہم
گہ اُٹھتے گہے بیٹھے نا طاقتوں سے
جوں سایہ جہاں تو گیا ایدوست وہاں ہم
دیارِ عشق میں ٹک دیکھ تو لیں دستم وقت
کریں ہیں متہم اُس سی ہیں جس سی ہم وفا

محمد وارث الہ آبادی المتخلص بہ وارث، فقیر او را ندیدہ بعضے از یاران آں دیار شنیدہ کہ مردیست طالب علم ریختہ و فارسی میگوید طبع موزونے دارد بجائے تخلص کہ وارث است اکثر بالف ناہر درا یاد میکند یعنی وارثا در ہر مقطع می آرد، از سبب بُعد و کم شہرتی اشعارش بگوش نخوردہ انچہ میسر آمد نوشتہ شد حالا در شہر خود یعنی بہ الہ آباد مقیم است سلامت باشد از وست ؎

بتا تو ہاں مرے ظالم مثالِ نقشِ قدم
تری گلی میں کوئی گر کے پھر اُٹھا بھی ہے
الٰہی خیر ہو قاصد تو جلد آتا ہے
ہماری خط کا جواب اُس نی کچھ لکھا بھی ہے
ہم کو تو رند کہتے ہو پر آپ شیخ جی
کیا کچھ شکار کرتے ہو داڑھی کی آڑ میں
وارث پھٹے ہے کب طپشِ عشق مجھ سیتی
چپوست ہو گئی ہے مری ہاڑ ہاڑ میں

خوبیِ کلام از کلام ظاہر است احتیاج شرح و بیان نیست ؎

اک نظر تجھے چاہیئے اس سیر کو وارث ۔۔۔ عالم کا تماشا جو ہیں اک آن ہیں دیکھا

غنچۂ گلشن کیاست و فہم میر محمد علی المتخلص بہ وہم جوانے است بسیار اہل و اہل دل خوش وضع نیک خصال فرزند ارجمند میر تقی المتخلص بہ خیال کہ بفرمایش فردوس آرامگاہ قصۂ بوستان خیال گفتہ است بست و سہ جلد دارد۔ القصہ تمام عمر دراں قصہ صرف نمودہ کاسے کردہ است کہ مقدور بشر نیست۔ چوں تخلص پدرش خیال بود بنا بریں تخلص خود وہم کردہ است۔ از سبب فکر روزگار کم باین طرف راغب میشود۔ در انتخاب موزون اشعار ذہنے و شعورے خوب دارد۔ چوں از یاران بندہ است تعریف او بزبان خود گفتن خوشنما نیست بر ہمہ ظاہر است خدا سلامت دارد از وست ؎

خدا ہی دوستو حافظ ہے اب مرے دل کا ۔۔۔ ہوا ہی دشمن جاں یار بے سبب دل کا

کچھ اس سے تو متعرض نہ ہو کہ آنے کا ۔۔۔ تری گلی ہیں یونہیں پڑ گیا ہی ڈھب دل کا

جا کہے اس سے اتنا اب کوئی ۔۔۔ ہے ترے غم سے جاں بلب کوئی

صبر و ہوش و قرار و تاب و تواں ۔۔۔ چل بسے رفتہ رفتہ سب کوئی

مرتے ہیں تب جو پاتے ہیں آرام ۔۔۔ نہیں مرتا ہے بے سبب کوئی

حرف الہا

از سلک متقدمین | **غفر اللہ لہم ہاشم تخلص** در دکھن شاعری گزشتہ اوست ؎

(زنا) دکھن و رہند دلبر ہمن سوں تجاب اچھے ۔۔۔ کہ مکھڑی چاند سی پر جن کا خط کی پیچ و تاب چھپے

ہاتف تخلص نیز از دکھن است او است ؎

تری انکھیاں اور زلف سیں کفر ہوا سارا جہاں ۔۔۔ اسلام اور تقویٰ کہاں زہد اور مسلمانی کہاں

(از احوال) **از احوال متوسطین** | **سید ہدایت علی خاں** صوبہ عظیم آباد ابتدای سلطنت محمد شاہ

غفر اللہ ہدایت تخلص می نمود یک شعر از و بگوش خوردہ رحمہ اللہ ؎

ہرگز یہ میری عشق کا سرفاش نہوتا   کرتا نہ اگر آکے میرا پردہ دری رنگ

میر ہینگا شخصے از نجبائے دہلی بود بر شخصے تعشق داشت پایش مادر زاد لنگ میکرد طبع موزونے داشت گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت۔ از مشاہیر نبود حاسدان و رقیبان بجرم عشق ویرا کشتند۔ یک رباعی از و بگوش خوردہ خدایش مغفرت کناد از وست ؎

میری ایذا سے منہ نہ موڑا دل نے   شیشہ مری زندگی کا توڑا دل نے

کام اُس بت سنگدل سے ڈالا مجھکو   مارا آخر مجھے نہ چھوڑا دل نے

از متاخرین | میاں ہدایت اللہ شمع انجمن فصاحت و بلاغت المتخلص بہ ہدایت مرد لیست متواضع و مؤدب، متین و محاورہ بند عالی طبع و دردمند، شاعر دلپذیر سخن سنج۔ بہ نظیر اصل وے از شاہجہان آباد ہست در طالب شرہ حضرت خواجہ میر درد چندے ہمراہ ستدنبہ رائے یکدل تخلص کہ شاعر فارسی گو بود در بنارس وارد بسر بردہ در تعریف بنارس مثنوی خوبی گفتہ حالا در خدمت خواجہ میر درد گوشہ نشینی اختیار کردہ بسر میبرد۔ خدایش سلامت دارد از وست ؎

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہی   ہدایت بھی تو کوئی زور ہی شہد اشکستہ ہی

یاد کرتی ہے زلف کی ہے قہر   پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات   روتے ہی روتے گذری ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیری تئیں ای شب وصال   ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہی خواب کا

بھلا ست تو مری جان کچھ ہدایت نے   تمہاری جو ستم شاکد کبھی کیا ہوگا

مگر یہی ہے کہ بے اختیار ہو کے کبھی   کچھ ادب سے نہ جدا ہوگا ہو دیا ہوگا

تم تو فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو   اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

آئینہ سا ہی مکھ ترا روشن   چشم بد دور چشم ما روشن

اے ہدایت شب جوانی کا
کچھ ہوا تجھ پہ ماجرا روشن
صبح پیری نمود ہوئی تیری
چل مسافر کہ دن ہوا روشن
موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیری دید ہے
مل گئی جس دن گلی تیری اُسی دن عید ہے
خدا جانے صنم آوے نہ آوے
بھروسا کیا ہے دم آوے نہ آوے
غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن
پھر اپنا یہاں قدم آوے نہ آوے
باتیں اشاروں ہی سے کرتی ہیں انکھڑیاں
بیمار ہیں نہیں انھیں طاقت جواب کی
گویا کہ تیری ہجر میں مَیں مرگیا ہوں رات
تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

رباعی

کوچے میں تیرے جو آن کر بیٹھ گئے
یہاں تک روئے کہ چشم تر بیٹھ گئے
جس طرف کو تو نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا
مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے
جی تو کرتا نہیں کوچے سے تری جانے کو
گر بری راہ میں خوشی ہی تو بھلا جاتا ہوں

مرزا محمد المتخلص بہ ہاتف شخصے است در شاہجہان آباد در عالم درویشی شغل شعر در رباعی بسر می برد۔ اکثر مخمس تضمین میکند۔ ہمیں یک شعر از و بگوشش خوردہ

مت پوچھ ہمنشیں کہ جہاں میں کہاں رہے
دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیاء

از سلک متقدمین الحکیم یونس از قدیم ست احوالش معلوم نیست

ہی معطراب تلک صحرا مت ام
اس زمیں اوپر کوئی گل برگ دا
سو گیا جب سے یہ جگتا باتھا مجھے
بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

ایں شعر ہم از قدیم است، معلوم نیست کہ از کیست معانی پر پیچ دارد

توحید عشق کی ہوں اثبات کو نہ پوچھو — باقی رہا فنا سے جس نے جپی ہے مالا

یعنی لفظ ما ولا ہر دو نفی است ونفی نفی اثبات می شود۔

احوال متوسطین مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ درگلشن بہار سخن آب و رنگ و

درچمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفیٰ قلی خاں المتخلص بہ یکرنگ مرد عمدہ بو

درعہد فردوس آرامگاہ بنیرہ خان جہاں لودھی درسلک ملازمان بادشاہی منسلک بود

معاصر میاں آبرو خدایش بیامرزد از وست

ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو — یہی گویا سلام ہے تیرا

اس قدر کیا ہی حمایت غیر کی — ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن — جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

مجھے مت بوجھ پیاری اپنا دشمن — کوئی دشمن بھی ہوا ہے اپنی جاں کا

اگر آوے میرے گھر وہ پیارا — کروں اُس ماہ کو تسلی کا تارا

بڑا دشمن ہوا وہ شوخ یکرنگ — کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

حق کہے جو کوئی سو مارا جائے — راستی ہیگی دار کی صورت

وصل اور ہجر اُس صنم کا مجھ پہ یکساں ہو گیا — درد میرا ہی مجھے آخر کو درماں ہو گیا

مجھکو اس دل سی توقع تھی مدد کی وقت پر — تیر خوباں کا تو وہ یکرنگ پیکاں ہو گیا

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے — رہا ہی روٹھ دن دو چار یکرنگ

کیوں تیغ کھینچتے ہو میاں ہم میں دم نہیں — پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں

نہ کہو یہ کہ مار جاتا ہے — میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لیتی ہے تو لے صیاد — ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ — کیا کرے ہائے اُسے طاقت گفتار نہ تھا

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا — شاید کبھو تو جا لگی اُس دلربا کے ہاتھ

کیا جانئے وصال ترا ہو کسے نصیب — ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے قابل اب رہا ہی — نہ اپنا وہ دماغ و دل رہا ہی

مت تلوّن اس میں سمجھو آپ سا — مصطفیٰ خاں عاشق یکرنگ ہی

سنتا نہیں تو بات کسی کی اے سجن — تیرا غرور تجھکو نہ جانوں کریگا کیا

زبان شکر ہی مہندی کا ہر پات — رکھے ہی خوبر ظاہر کرامات

خیال چشم و ابرو کرکے تیرا — کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

عبث تو بیکسی پر اپنی کیوں ہر وقت روتا ہی — نکر غم اے دیوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہی

چند بیت در مرثیہ امام علیہ السلام خوب گفتہ است و آں اینست ؎

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا — گلزار کی نمط ہی بیابان کربلا

کھاتی چلا ہی زخم ستم شاموں کے ہاتھ — دھو ہاتھ زندگی سے لی مہمان کربلا

اندھیر ہی جہان میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ — ہی سر بریدہ شمع شبستان کربلا

یکرو تخلص مردے بود از شاگردان میاں آبرو لیکن فکرش عالی معلوم میشود ہمیں یک شعر از وشنیدہ ام ؎

ہیں دل پہ میری داغ ترے ہجر کے لئے — گنتی میں جن کی عمر مری سب بسر گئی

میر عزت اللہ یکدل تخلص سید عالی نسب بود عاشق سخن اکثر با شعرا دوستی داشت شعر کم میگفت بیشتر فکر مدح و منقبت ائمہ اطہار صلوات اللہ الملک الغفار بشوق و ذوق تمام نظم می نمود چنانچہ ایں منقبت مشہور از دست خدا ایش سلامت دارد ؎

لوں باغ انما کی قسم — سرو گلزار ہل اتی کی قسم

میر میدان لا فتا کی قسم — میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم

والی فدا ہوں مجھے خدا کی قسم

میر احمد محبوب روزگار و یار طرح دار میر احمد المتخلص بہ یار ولد شاہ اللہ یار متوطن شاہجہاں آباد جوانے بود بجمال و جاہت بہ ملاحت کہ یوسف ثانی تواں گفت دراں زمان عالمے عالم فریفتۂ رخ نیکو و آشفتۂ زلف او بود۔ در وقت احمد شاہ ہنگامۂ حسن او گرم بود ایں ہمہ شعرائے متوسطین مانند پروانہ دل خود را بر شعلۂ حسنش می سوختند و او نیز با اینہا صحبت میداشت اکثر اصلاح سخن از میر محمد تقی سلمہ اللہ می گرفت۔ طبع موزونے داشت گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت۔ از کتب عربی تا شرح ملا خواندہ بود۔ میر ضیا سلمہ اللہ با و نظر الفت داشتند چنانچہ تا حال ہر وقت کہ یاد او میکنند میگریند غرض کہ در عین جوانی از جہان فانی درگذشت رحمہ اللہ بیت

اس چمن میں ناتواں میں سب کے اوپر بار تھا — خوش رہو اے بلبل و گل تم کہتے ہیں خار تھا

جائے سنگ لوح تربت نصب کیجو آئنہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کش دیدار تھا

آفریں اے دست گستاخ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

انعام اللہ خاں شاعر دردمند و حزیں انعام اللہ خاں متخلص بہ یقین ولد اظہر الدین خاں جوانے بود در عہد محمد شاہ غفر اللہ لہ از تلامذۂ مرزا مظہر جان جاناں اصلش از شاہجہاں آباد است بسیار نازک مزاج و میرزا منش بود۔ صاحب دیوانست از بسکہ اشتہار دارد محتاج تعریف نیست۔ میر تقی در تذکرۂ خود نوشتہ است کہ مشہور چنین است کہ میرزا مظہر تمام دیوان گفتہ دادہ است خود موزوں نیست مرا یقین نبود لیکن میرزا رفیع سودا و میر سوز سلمہما اللہ گواہی دادند کہ روزے ما یاں در خانہ انعام اللہ خاں رفتہ برائے امتحان عربی طرح نمودیم ہر چند مبالغہ کردیم یک مصرع موزوں نکرد ذائقہ سخن فہمی ہم نداشت۔ واللہ اعلم۔ باشد مارا ازیں چہ کار۔ متاع نیک ہر دکان کہ باشد۔ اشعارش بسیار رنگین و موثر اند سخن او خالی از درد نمی نیست۔ میگویند پدرش بیگناہ او را کشت و پارچہ پارچہ کردہ در دریا انداخت سببش

چند معلوم شد کہ پدرش تعلق خاطر با دختر خود داشت نعوذ باللہ واو ازیں چیزہا ممانعت میکرد برائے اخفائے ایں حرکت او را شہید کرد اکثر چنیں شہادت میدہند خدا بہتر میداند ایں چند اشعار انتخاب کردہ قلمی می نماید از وست ؎

ہے داغ سے پر سینۂ سوزاں میرا | اب ورنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا
روا گر دیجئے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں | آئینہ سے بھی گیا یہ دلِ حیراں میرا
کبھو یہ تھا کہ ہم پردہ بتِ مغرور رو دیتا | بُرا جب دیکھتا حالِ دلِ رنجور رو دیتا
اگر مر کر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا | خدا جانے وفا میری کی حق میں کیا گماں کرتا
رہا میں بے خبر افسوس لذت سے اسیری کی | جو میں یہ جانتا کنجِ قفس میں آشیاں کرتا
اُس کو جب خشم و رضا میرا برابر ہو گیا | حیف مضمون روٹھنے کا بھی مکرر ہو گیا
کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند | برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

عجب اتفاق است کہ ایں شعر توارد شد با شعر آنند رام مخلص کہ ہم عصر او بود معلوم نیست کہ ایں معنی در اصل از کیست ؎

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل | بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما

یقیں

اس قدر غرق لہو میں یہ دلِ زار نہ تھا | جب حنا سے تری پاؤں کو سروکار نہ تھا
دل میں زاہد کی جو جنت کی ہوائی ہے ہوس | کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا
اُس گل سی کچھ حجاب ہمیں درمیاں نہ تھا | جس دن کہ یہ بہار نہ تھی گلستاں نہ تھا
دام و قفس سے چھوٹ کے پہنچے جو باغ تک | دیکھا تو اس زمیں میں ہم چمن میں نشاں نہ تھا
اتنا جہاں میں کوئی کہیں بیوفا نہ تھا | ملتے ہی تیری مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
جو کچھ کہے ہیں تجھکو یقیں ہے سزا تری | بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
ہمارا شور جنوں مجنوں کو بھولی طرح نالی کی | کوئی شیروں کی منہ پر نی بجا سکتا ہے کیا قدرت

بتاں کی مجھ سی ناطربع ہی یہاں تک کہ کہتی ہیں
کہاں اس دام سی یہ صید جا سکتا ہے دیکھا قدرت

عاشق او رمعشوق عالم کی سند کرتے ہیں سب
تجھ سی خونخواری کی طرز اور مجھ سی غمخواری کی طرح

کیا مری مژگان تر کی ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل ز طرح امڈے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گوری منہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

اب جو اڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھی اپنی بال و پر کی قدر

دل ہمیں کہکر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
پھر نہ دی آکر کسی نے اس دوانے کی خبر

بلبلیں پیہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھ تو اڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

سچ کہو اے بلبلو کس باغ سے آتی ہو تم
کچھ بھی ہے تم کو ہمارے آشیانے کی خبر

آج اس لطف کی دیکھی ہے میں بیداد کہ بس
سر پہ آیا مرے اس طور سے جلاد کہ بس

کچھ پر و بال ہیں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
ہم ہوئے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دوانا ہوتا
آج جس طرح کا دیکھا ہے پریزاد کہ بس

سحر کی ڈوری جو سنتے تھے سو یہ دیکھی یقیں
دل کھچا جاتا ہے اس زلف پریشاں کی طرف

ناصح سے غم نے مجھکو کیا شرمسار حیف
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

جاتی نہیں وہ بے مزگی ہجر کی یقیں
کچھ وصل کے نشہ نے نہ کھویا خمار حیف

جلتی بلتوں سی نہ مل ان تیلیا کپڑوں کے ساتھ
جی دھڑکتا ہے مبادا لگ اٹھے دامن کو آگ

چمن میں مجھ سی دیوانے کے لیجانے کا کیا حاصل
دکھا کر گل پرندوں کو شور پر لانے کا کیا حاصل

جنھیں بالوں کی پھانسی دی سو وہ ہرگز نہیں جیتے
جو زلفوں میں پھنسا دل اس کو غم کھانیکا کیا حاصل

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھانا داغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

ہوئی یاری تیسری کوہکن کے بعد خسرو کے
وہ کیا تھا زخم تیشہ کا براحت اس کو کہتے ہیں

یقیں مارا گیا جرم محبت پر زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

کوئی دن چلنی پھرنی دو عبث زنجیر کرتے ہیں
دیوانا مجھو آپ جیتا ہے کیوں تدبیر کرتے ہیں

اس طرح صیاد کب آزاد کرتا ہے تجھیں | بلبلو دھومیں مچا لو یہ گلستاں پھر کہاں

کرتا ہے کوئی یار داس وقت میں تدبیریں | مرتا ہے یہ دیوانا اب کھولدو زنجیریں

نہ گزرا ہوگا کوئی مجھ سا نرگس بادلی پن میں | گریباں آپڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں ہی جیتے جلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے | پڑا ہوگا دیوانا باولا سا کوئی گلخن میں

شکوہ جفا کا یار سے کرنا روا نہیں | بندوں کو اعتراض خدا پر روا نہیں

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھکو کسی چمن میں | کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ دل کو | کیا عیش کر گیا ہے ظالم دیوانہ پن میں

ہم تو حاضر ہیں عشق یار کہاں | خار و خس جمع ہے شرار کہاں

باغباں در نہ بند کر آخر | ہم کہاں تو کہاں بہار کہاں

اسیران چمن کی نامرادی پر نظر کیجو | بہار آوے تو اے صیاد ہم کو خبر کیجو

منہ اپنا نہ دیکھا ہو جائے گا دیوانہ | آئینہ کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

کچھ عمر نہیں باقی ساقی تو شتاب آجا | ڈرتا ہوں چھلک جاوے لبریز ہے پیمانہ

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھکو بیخوابی کے ساتھ | جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کے ساتھ

مفت نہیں لیتی وفا کو شہر خوباں میں یقیں | کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

کئی شب بھول شاکر دیکھ روئے یار کیا کہئے | زباں حیرت سے اپنی ہوگئی بیکار کیا کہئے

یقیں کر لفعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا | یہ دیوانا کچھ اتنا تو نہ تھا بیمار کیا کہئے

زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کہئے | کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہئے

دل چھوڑ گیا مجھکو دلبر سے توقع کیا | اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہئے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے | نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا اگر نہ بہاؤ کہیں | یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی نہیں

یہ آرزو ہے کہ اس بیوفا سے تو پوچھوں | کہ میرے بیمزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

خبر کیا پوچھیے مرغِ چمن سی آشیانے کی
اسیروں کو توقع کب ہی پھر گلشن کی جانے کی

گئی پکڑی شروعِ گل میں اور پروازِ اوّل میں
ندی فرصت زمانے نے ہمیں دھوم مچانے کی

یہ لذت جس نے اپنے یار سے پائی ہو سو جانے
نشے میں گالیاں کھانے کی اور پیالی پلانے کی

مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی آخر اب کے چھوڑے گی گرفتاری مجھے

میں جو بن غمخوار ہرگز رہ نہ سکتا تھا کبھی
ان دنوں کرنی پڑی ہی دل کی غمخواری مجھے

رفیقانِ موافق ساتھ زنداں بھی گلستاں ہی
ہوا ہی دام ہم کو آشیاں آپس کی الفت سے

عبث پالی تھی سینے بیچ آہِ بے اثر ہم نے
یہ کیا اس خاک میں بویا تھا نخلِ بے ثمر ہم نے

نہ روئی ہجر میں پر وصل کے دن یہ چلے آنسو
اسی دن کے لئے رکھے تھے گویا یہ گہر ہم نے

گئی یہ کہہ کے آنے سے خزاں کے پیشتر بلبل
پھر ان آنکھوں سے کیوں کر دیکھ سکیے گا چمن خالی

خوش آئی ہی مجھے یہ بات تک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے

جو سر پاؤں پہ دھر دیجے تو راضی ہوں بتاں ہم سے
ولیکن ہائے ہو سکتی ہی یہ جرأت کہاں ہم سے

جو چھپ کر دیکھتی گل تو کب صیاد واقف تھا
ہمارے آہ و نالے نے چھڑایا آشیاں ہم سے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گذر
منزلِ مقصود ہی دونوں جہانوں سے پرے

جب ہو معشوق عاشق دلربائی کیا کرے
بندگی سی جس نے خو کی ہو خدائی کیا کرے

وصل کی گرمی سی مجھکو ضعف آتا ہی یقیں
دیکھیے مجھ ساتھ خوبانکی جدائی کیا کرے

معاوضے میں وفا کی جو یہ جفا ہووے
کہو کسی سے کوئی کیوں کہ آشنا ہووے

یہ سب تو کرتے ہیں دعوائے عشق یار کبھو
جو آزمانے پہ آوے تو کیا مزا ہووے

تک ایک انصاف کر اتنی بھی کرتا ہی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

گزر جا وصل سی گر ہجر میں دیکھی رضا اس کی
محبت میں نہیں بیتاب ہی ناکام مدعا کوئی

سر کو چھوڑدں بے طرح تبخانہ پہ چلتا ہے — توقع یار رہنے کی نہیں اس کو خدا رکھے
خدا بے مجھے ترے داغوں سے لالہ زار کرے — یہ خار خشک مگر آگ سے بہار کرے
قیامت آپ پر اُس تمدسی اا چکی ہم تو — کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے

از سلک متاخرین | از خوبانِ جہاں و از موزونانِ زماں خان عالیشان حسن علیخاں
ولد زین العابدین خاں نبیرۂ نواب اسلام خاں بن مقیدت خاں ابن نواب میر جملہ
کلاں نعمت، آلہی جوانیست بسیار خلیق و با غربا شفیق قدردان و قدرشناس المتخلص بہ
یاس اکثر مشورہ سخن با میاں حسرت دارد ہنوز نومشق است اگر طبیعتش بایں فن
راغب شد خوب خواہد گفت دریں ولا مائل خواندن عربی است خوشا بحالش کہ عمر عزیز
خود را بدیں نحو صرف نماید۔ از متوسلانِ مراتبہ نواب عالیہ است ایں چند اشعار
بطریق یادگار بقلم می آید ؎

عشق نے تیری مجھے خلق میں تشہیر کیا — میری اُلفت نے تری دل میں نہ تاثیر کیا
جی تلک دی کے خفا یہ تو نہ ہوتا ہرگز — تو نے کیا جانے کیوں یاس کو دلگیر کیا
تو آپ ہی[1] سن رہیگا جو کچھ گذرا ہجر میں — خدا وہ روز نہ لاوے تری جُدائی کا
کسی کو ہجر میں رونا کسی کو وصل میں عیش — میں کیا کہوں ہی تماشا عجب خدائی کا
شیریں نے پائی آب بہ حلاوت سخن کی بیچ — جو بات لطف دیتی ہی اُس کے دہن کی بیچ
ہوتا ہی جا غریب کوئی اور شہر میں — آوارہ میں تو پھرتا ہوں اپنی وطن کی بیچ

---

[1] دونوں نسخوں میں یوں ہی ہے۔ اگر آپ ہی مصرعہ کے آخر میں ہو تو موزوں ہو جائے گا

منظور قتل ہی تو تجھے کیا درنگ ہے — یہ ہیں یہ تو یہ تیغ یہ تیر و خدنگ ہے

وہ دن گئی کہ جان و دل آپس میں تھی خوشی — اب یہ خفا ہی اُس سی یہ اس سے بتنگ ہے

بولی ٹھٹھولی غیر سے ہم کو سُنا سُنا — ظالم بھلا ستانے کا یہ کوئی ڈھنگ ہے

لطف و کرم سے پاس بُلا ناتواں کی طرف — احوال پوچھنے سے مرے اس کو ننگ ہے

دیکھیں فلک وہ دور دکھائیگا یا نہیں — اس دل میں وصل یار کی کیا کیا اُمنگ ہے

چھوٹے وہ درد و غم سے جو جی سی گزر گئے — تیری شب فراق میں ہم کیوں نہ مر گئے

گو جی گیا پہ دیکھ لیا تجھکو اک نگاہ — منظور تھا جو اپنے تئیں کام کر گئے

ہرگز نہ کام نکلا کچھ دیر اور حرم سے — آخر ہمارا مقصد حاصل ہوا تو ہم سے

مجھکو یقین ہو چکا تیرا وہ دل ربا نہیں — اتنا نہ ناز کر صنم بندے کا کیا خدا نہیں

میں نے کہا کہ میری ماہ تک تو ادھر کو کر نگاہ — کہنے لگا وہ کون ہی تجھ سے میں آشنا نہیں

گلِ نرگس میں بھیجواں ہی یعنے — چشم تیرے ہی انتظار میں ہے

القمر ۔ قوانین حرکت وسکون اور نظام شمسی کی صراحت اور چاند کے متعلق جتنے جدید انکشافات ہوئے ہیں اُن سب کو جمع کردیا ہی طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہی قیمت ۸

تاریخ تمدن ۔ سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہی الف سے بے تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہی۔ ہر بحث کے لئے ایک عجیب مگر پُر زور اصول اختیار کیا گیا ہی اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی انتقاد سے کام لیا گیا ہی اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہی۔ بمبئی میں سرکاری لائبریریوں کے لئے تجویز کی گئی۔ قیمت حصہ اول غیر مجلد عصہ۸ حصہ دوم مجلد عہ۸

فلسفۂ جذبات ۔ کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہی۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہی متعلمانِ نفسیات اسے نہایت مفید پائینگے۔ قیمت مجلد ۸ع

مقدمات الطبیعات ۔ یہ ترجمہ ہی انگلستان کے مشہور سائنس دان حکیم ہکسلی کی کتاب کا ترجمہ ہی جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہی۔ اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہی لیکن کتاب علم وفضل کا مرقع ہی متعلمان سائنس اور عام شائقین کے لئے بہت مفید ہی قیمت عصہ۸

البیرونی ۔ کمالاتِ ذہنی میں ابوریحان بیرونی کا مرتبہ تعریف سے مستغنی ہی دسویں صدی کا فاضل ہی مگر تبحر علمی اور دقیق النظری میں بیسویں صدی کا محقق معلوم ہوتا ہی ہندوستان آیا اور ہندوستان کے فلسفۂ تاریخ اور مذہب ومعاشرت پر ایک بے مثل کتاب لکھی۔ نیز اس کے حالاتِ زندگی اور کمالاتِ علمی پر مشتمل ہی قیمت مجلد عہ۸

فلسفۂ اجتماع ۔ تالیف ہی اور اس کا موضوع نفسِ اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال وقوائے ذہنی کی تحلیل وتشریح ہی موجودہ انقلابات میں اس کا مطالعہ دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہ ہوگا اس پر انگلستان وہند کے علما واخبارات نے اچھے اچھے ریویو لکھے ہیں قیمت عہ

قاعدہ و کلید قاعدہ - مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے۔ ائرکٹر تعلیمات بمبئی نے اپنے صوبہ کے گورنر سے تحریک کی کہ اس قاعدہ کو نصاب میں داخل کیا جائے جس اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہیئے۔ ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی ہے۔ قیمت قاعدہ ۲ر کلید قاعدہ ۴ر

دریائے لطافت - ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہے اُردو صرف و نحو اور محاورات والفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں قیمت عہ/

طبقات الارض - اس فن کی پہلی کتاب ہے تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلمبند ہیں انگریزی اور اُردو دان دونوں کے لئے یکساں طور مفید ہے کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے قیمت عہ/

مشاہیر یونان و روما - پلوٹارک لائوز کا ترجمہ ہے سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے ادبیان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے وطن پرستی و بے نفسی، عزم جوانمردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ لبریز ہے ہماری قوم کے ہر نوجوان کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ضرور ہونا چاہیئے۔ دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

جلد اول غیر مجلد قیمت ... عہ/ جلد دوم مجلد قیمت ... عہ/

اسباق نحو - دو حصے ملک کے ادیب کامل مولانا مولوی حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف سے ہیں۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ ہے عربی خواں طلبہ کے لئے نادر تحفے ہیں قیمت فی رسالہ ۴ر

ان سب کتابوں کے ملنے کا پتہ :-

معتمد انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن)